مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه نقوش اسلام

Issue.No.10	صفر المظفر ۱۴۳۴ھ (December,2012) دسمبر ۲۰۱۲ء	VOL.No.7

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی
ولیٔ کامل حضرت مولانا عبد الرحیم متالا

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبد الستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ "نقوش اسلام" مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.......................۱۵/روپئے
سالانہ.......................۱۸۰/روپئے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
08859806425 / 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR. PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مسلمانوں کا انحطاط وتنزل	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ملفوظات		۷
ملفوظات حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی	مولانا محمد سید سلمان حسینی ندوی	
جوامع الکلم		۱۳
محسن انسانیت کے چند جوامع الکلم	مولانا سید محمد ریاض ندوی	
سیرت وکردار		۱۷
مناظر اسلام علامہ رحمت اللہ کیرانوی	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی	
فکروعمل		۲۲
ماہ صفر اور اس کی حقیقت	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
تزکیہ واحسان		۲۴
رہنمائے سلوک وطریقت	محمد مسعود عزیزی ندوی	
یادرفتگاں		۲۹
قاری شبیر احمد......آغوش رحمت میں	منشی عبدالغفور نعمت پور سہارنپور	
جائزہ		۳۱
افسوس کہ ارتداد ہے اور کوئی ابوبکر نہیں	مولانا محمد فرقان ندوی، ہاتھرس	
تجزیہ		۳۵
مخلوط تعلیم-نتائج ونقصانات	محترمہ سعدیہ اختر عندلیب، بنگلور	
عظمت کعبہ		۳۸
نیا غلاف کعبہ دو ر کروڑ ریال میں تیار ہوا	مولانا ضیاء الرحمٰن چترالی	
فضائل		۴۰
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلتیں اور برکتیں	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
مراسلات		۴۴
نقوش اسلام کی ڈاک	ادارہ	
تبصرے		۴۵
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۴۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۳۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۳۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
۱/۴ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۸۰/روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مسلمانوں کا انحطاط وتنزل

محمد مسعود عزیزی ندوی

ایک ادیب نے خوب کہا ہے کہ ’’انسانی زندگی میں دو ایسے واقعات ہیں، جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے، ان میں سے ایک جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے، نیند آنا ہے، کوئی شخص آج تک اس خاص لمحہ کا تعین نہیں کر سکا، جب جاگنے والا سو جاتا ہے، دوسرا واقعہ جس کا تعلق قومی زندگی سے ہے، تنزل یا زوال ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کس تاریخ سے شروع ہوا، سب کو اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ زور پکڑ جاتا ہے‘‘ یہ حقیقت اکثر قوموں کے بارے میں منطبق ہے، لیکن امت اسلامیہ کی زندگی میں زوال وتنزل کا آغاز دوسری قوموں کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور روشن ہے، اگر ہم کمال وزوال کے درمیان کی حد کو متعین کرنا چاہیں تو ہم اپنی انگلی اس تاریخی خط پر رکھ دیں گے جو خلافت راشدہ اور ملوکیت عرب یا مسلمانوں کی بادشاہی کے درمیان حد فاصل ہے۔

دراصل اسلام کی امامت بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے، جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو، اس کے لئے ذاتی صلاح وتقوی اور عدل کے علاوہ جہاد اور اجتہاد کی قابلیت بھی ضروری ہے، یہ دو لفظ بہت سادہ اور ہلکے ہیں، لیکن معانی ومطالب سے لبریز، جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا، مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری، اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرافگندگی ہے، اس کے لیے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے، ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں، اور ان تمام نفسی وآفاقی (داخلی وخارجی) آلہہ ومعبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرمانبرداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں، جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گرد وپیش کی دنیا اور اپنے بنی نوع پر پھیلانے کے لئے جدوجہد کرے، یہ اس کا دینی فریضہ ہے، اور خلق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی یہ عین مقتضی ہے۔

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت وامامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو، وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں انفراداً یا اجتماعاً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں، اور روح اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں، اور اشتباہ وتحیر کے موقع پر اس کی

رہنمائی کرسکیں، نیز وہ اتنی ذکاوت و مستعدی اور علم رکھتے ہوں اور محنت کے لئے تیار ہوں کہ اللہ تعالی نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں اور زمین میں دولت وقوت کے جو چشمے اور دفینے رکھ دیئے ہیں، ان سے کام لے سکیں، اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لئے مفید بنائیں، بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لئے استعمال کریں اور زمین میں سربلندی اور فساد کے لئے ان سے مدد لیں، اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لئے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

لیکن دنیا کی بدقسمتی تھی کہ خلفاء راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ حاوی ہوگئے، جنہوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی، ملوکیت کے اثرات اور نتائج یہاں تک پہنچے کہ دین وسیاست میں عملی تفریق ہوگئی، ارکان حکومت بلکہ خود خلفاء، دین واخلاق کا کامل نمونہ نہ رہے، اور چونکہ وہ اپنے اعمال واخلاق اور معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم نمائندگی کرتے تھے، اس لئے غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر جاتا رہا، اور مسلمان علماء ومفکرین نے فلسفیانہ موشگافیوں اور فلسفہ اشراق کے مباحث اور وحدۃ الوجود کے مسائل میں اپنا ضرورت سے زیادہ وقت اور طاقت صرف کی، پھر اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک وبدعات اور جہالت، قدیم جاہلی قوموں کے عقائد وخیالات اور دینی گمراہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کردیا، جس کا اثر مسلمانوں کی زندگی پر پڑنا لازمی تھا، ایک یورپین مؤرخ کہتا ہے کہ ''اسلام کو اس لئے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی نمائندگی کر رہے تھے''۔

مگر اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے، وہ اس پوری مدت میں ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے محفوظ رہا، مسلمانوں نے راہ راست سے جہاں جہاں انحراف کیا تھا، کتاب وسنت سے مقابلہ کرکے اس کا علم اور احساس ہوجاتا تھا، دین وشریعت نے مسلمانوں کی غلطی میں کبھی ساتھ نہیں دیا، اسی لئے اسلامی تاریخ کے ہر دور اور اسلامی دنیا کے ہر گوشے میں ایسے عالی ہمت اور اولوالعزم اشخاص پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس امت میں انبیاء کی جانشینی کا حق ادا کیا، مسلمانوں کے تن مردہ میں روح جہاد پھونکی، اور مسائل اور علوم میں اپنی فکر تازہ اور مجتہدانہ قابلیت سے کام لے کر مسلمانوں میں نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا کردی، اسی کے ساتھ جب اسلام یا عالم اسلام کے لئے کوئی نیا خطرہ پیش آیا تو کوئی نہ کوئی مرد مجاہد میدان میں آیا اور اس نے نہ صرف اس خطرہ کو دور کیا بلکہ عالم اسلام میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا کردی، اس کی واضح مثال نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کی شخصیتیں ہیں، جنہوں نے صلیبی فتنے کے مقابلہ میں اسلام کی قیادت سنبھالی، اور بڑے مجاہدانہ کارنامے پیش کئے اور بیت المقدس اور حطین کو فتح کیا، پھر تاتاریوں نے عالم اسلام پر ایسا زبردست حملہ کیا اور مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا جس کی نظیر نہیں ملتی، آخر کار انہوں نے بھی شکست کھائی، مگر عالم اسلام کو سنبھلنے میں ایک مدت لگی، پھر میدان قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد ہوئی، اور انہوں نے عالم اسلام کو سنبھالا، ترکوں میں بہت سی خصوصیات تھیں، لیکن عین ترقی وعروج کے زمانے میں ترکوں میں بھی تنزل وانحطاط شروع ہوگیا اور قوموں کے پرانے امراض حسد وبغض ان میں پیدا ہوگئے، اور ترک علمی پسماندگی

اور جمود و تعطل کا شکار ہو گئے، جس سے عالم اسلام میں عام ذہنی و علمی انحطاط ہوا، اس طرح ترکوں کا بھی تنزل ہو گیا۔

دولت عثمانیہ یعنی ترکوں کی ہمعصر و ہمسر دو طاقتور مشرقی حکومتیں تھیں، ہندوستان میں مغلیہ سلطنت جس کی بنیاد ۹۳۳ ہجری مطابق ۱۵۲۶ء میں بابر کے مضبوط ہاتھوں سے پڑی تھی، اس خاندان کا آخری طاقتور بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر تھا، اورنگ زیب نے ۵۰ / برس حکومت کی، ۱۱۱۸ ہجری میں اس کی وفات ہوئی، اس کے بعد اس کے سب جانشین نا اہل، پست ہمت اور عیش پسند نکلے، اور اپنی نا اہلی، کمزوری اور نا اتفاقی سے انگریزی حکومت کے قیام واستحکام، انگلستان کی ترقی و تمول اور صنعتی انقلاب کا باعث ہوئے، اور بالواسطہ اکثر اسلامی ممالک کی غلامی کا سبب بنے، دوسری بڑی مشرقی حکومت ایران کی صفوی سلطنت تھی، جو ایک بڑی متمدن اور ترقی یافتہ سلطنت تھی، لیکن شیعیت کے غلو و تعصب اور ترکی حکومت سے نبرد آزمائی نے اس کو کسی اور کام کی فرصت نہ دی، یہ دونوں سلطنتیں اپنے مسائل و معاملات میں ایسی الجھی ہوئی تھیں اور بیرونی دنیا سے اتنی بے تعلق و بے خبر تھیں کہ ان کو یورپ اور دور دراز کے ممالک تو الگ رہے، مشرق اوسط اور اسلامی ممالک کے حالات وواقعات کی خبر نہ تھی، اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور معاہدے اور پورے اسلامی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کا مسئلہ تو شاید ان حکومتوں کے ذمہ داروں کے کبھی خیال میں بھی نہ آیا تھا،، نہ مشرق کی شخصی حکومتوں سے اس کی امید ہو سکتی تھی۔

مگر مشیت خداوندی سے متعدد ممالک میں ایسے صاحب عزم، بلند حوصلہ اور بیدار مغز قائد اور مجاہد پیدا ہوئے، جنہوں نے ان آمادہ زوال اور بر سر انحطاط قوموں اور ملکوں میں کچھ عرصے کے لئے نئی زندگی پیدا کر دی، ہندوستان میں سلطان ٹیپو جیسا عالی ہمت، بلند نظر اور شیر دل قائد پیدا ہوا، جو قریب تھا کہ ہندوستان کو غیر ملکی خطرات سے پاک کر دے، دوسری طرف حضرت سید احمد شہید جیسا صاحب عزیمت اور صاحب تاثیر داعی اور مجاہد پیدا ہوا، جو خلافت راشدہ کے اصول و منہاج پر ایسی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارا تک وسیع ہو، مگر قومی انحطاط اور اجتماعی پراگندی اور بے نظمی اور سیاسی بے شعوری اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ ایسی عظیم اور طاقتور شخصیتیں بھی مسلمانوں کے حالات اور ان کے تنزل و انحطاط کی رفتار میں کوئی بڑی تبدیلی نہ پیدا کر سکیں، اور امت بحیثیت مجموعی ان مجاہدانہ اور تجدیدی کوششوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔

سولہویں سترہویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل و انحطاط، علمی پسماندگی اور جمود کا شکار ہو چکے تھے، جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائد تھا، تو دوسرے عرب اسلامی ممالک کا جو ترکی کے زیر اثر یا دست نگر تھے، جو کچھ حال ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کا یہ تنزل صرف حکمت و علوم نظریہ اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا، جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، بلکہ پورے عالم اسلام پر اس کی چھاپ تھی، حتی کہ وہ اپنے فنون جنگ میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے تھے، جن میں ترکوں کو درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا، ترقی

کے میدان میں مسلمان ترکی نے جو فاصلہ طے کیا، اور اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ نے جو فاصلہ طے کیا، ترقی کے میدان میں ان دونوں کی دوڑ میں کچھوے اور خرگوش کا مقابلہ تھا، تنزل وانحطاط کی یہ تفصیل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کی تحریر کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

دینی اور روحانی اعتبار سے مسلمانوں میں جو تنزل ہوتا رہا، اس کے لئے اللہ تعالی نے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ مجدد دین اسلام اور مصلحین امت اور داعیان دین پیدا فرمائے، عالمی فتنے ہوں چاہے ملکی اور علاقائی، ان کی سرکوبی کے لئے اہل اللہ اور مجاہدین کھڑے ہوتے رہے، اور ان فتنوں کو ختم کرتے رہے، سولہویں صدی میں ہندوستان میں دین اکبری یا دین الٰہی کے نام سے جو فتنہ کھڑا ہوا، وہ مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء کی محنت سے ختم ہوا، پھر قادیانیت کا فتنہ ابھرا، اس کی سرکوبی بھی علماء اسلام نے کی، پھر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوا، اور انہوں نے ملت اسلامیہ اور ان کے دین اور ملک کو تباہ کرنے کی کوشش کی، علماء کرام نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش فرمائے، یہاں تک کہ ہندوستان کو ان کی غلامی سے آزاد کرایا، اور مسلمانوں میں دینی بیداری اور براہ راست قرآن وحدیث سے تعلق جوڑنے کے لئے اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے تعلیمی ادارے قائم کئے، جیسے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پھر ان کے تحت ملک کے گوشے گوشے، قریے قریے میں دینی تعلیمی ادارے اور دینی مکاتب کا سلسلہ شروع کیا، جس سے مسلمانوں میں کافی بیداری اور دینی شعور پیدا ہوا۔

لیکن افسوس کہ مسلمان جو ایک زندۂ جاوید اور داعی امت تھی، جس کو اللہ نے لوگوں کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکالنے کے لئے ظلم وزیادتی اور بندوں کی بندگی سے نکالنے کے لئے برپا کیا تھا، آج وہ کیوں پسپائی، تنزل وانحطاط کی شکار ہے، دنیا کا سارا نظام جس کی وجہ سے چل رہا ہے، آج وہی دوسروں کی دست نگر اور غیروں کے رحم وکرم پر گزر بسر کر رہی ہے، یا اللہ! یہ قوم کب خواب خرگوش سے بیدار ہوگی، کب یہ اپنی رہبری کا فریضہ انجام دے گی، کب یہ اپنے بھولے ہوئے سبق کو دہرائے گی، کیا پھر کسی صلاح الدین کی ضرورت ہے؟ کیا پھر کسی مجدد الف ثانی کی آمد درکار ہے؟ کیا پھر کسی ٹیپو سلطان کی امید ہے؟ کیا پھر کوئی سید احمد شہید آئے گا؟ کیا پھر کوئی امداد اللہ مہاجر مکی پیدا ہوگا؟ کیا پھر کوئی قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی آئے گا؟ یا کوئی ضامن شہید یا کوئی مجدد تھانوی پیدا ہوگا؟ پھر کب تک مسلمان بے وزن اور بے وقعت رہیں گے؟ کب تک غیروں کی آنکھوں کے تنکے اور اللہ کی زمین پر رحمت کی بجائے زحمت بنے رہیں گے؟ کیا یہی آزمائش ان کے سر رہے گی، اے الٰہ العالمین! اس آزمائش وابتلاء کو ختم کردے، اور ہمارے زوال کو عروج سے بدل دے، ہمارے تنزل کو ترقی سے بدل دے، اور تو ہماری دینی وایمانی زندگی میں انقلاب پیدا فرما، اے اللہ! تیرے فرمان کے مطابق سربلندی تو ہمارے لے ہے، مگر ہمیں اس کا استحقاق تو نصیب فرما، تنزل وانحطاط کے گھٹا ٹوپ بادل ہمارے سروں سے اٹھادے، اور ہمیں ایک زندۂ جاوید امت بنا کر دنیا کی ہر طرح کی قیادت وسیادت عطا فرما، اے اللہ! تو قادر مطلق ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے ”انت نعم المولی ونعم النصیر“

ملفوظات

ملفوظات مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڑھیؒ

مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اولیاء اللہ کی صحبت اور ان سے حقیقی استفادہ کے چند لمحات بعض اوقات سالوں کی پرخلوص عبادت وریاضت پر بھاری ہوجاتے ہیں:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کیونکہ عبادت وریاضت سے تقشّف وتدین اور دنیا سے بے رغبتی تو پیدا ہوسکتی ہے مگر بے نفسی، ایثار، فنائیت اور انانیت کا ازالہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب مرد کامل کے پاس بیٹھ کر اپنے ظلم وجہل کو دیکھے، اپنی حقیقت پہچانے اور اپنے احساس کمال اور فضیلت وتقوی کے خیال کا شیشہ چکنا چور کرلے۔

پیش راہگزار و مرد حال شو ❁ پیش مرد کاملے پامال شو

اور واقعہ یہ ہے کہ اس علاج کے محتاج علماء عابدین وزاہدین اور مسند نشین شیوخ، عام سطح کے لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتے ہیں، جو اپنے اندر ابتدا ہی سے کوئی کمال نہ دیکھ رہا ہو اس کے لئے کمال کی نفی کرنا بہت آسان ہے؛ لیکن جن کے قلوب میں ان کے دینی، علمی اور خانقاہی مقام نے فضل وکمال کا احساس پیوست کردیا ہو ان کے لئے اپنے فضل وکمال کا انکار کرنا کہ دل کے روئیں روئیں سے عجز، فنا اور ''انا'' کے انکار کی صدا بلند ہونے لگے، بڑا دشوار گذار اور جاں گسل کام ہے۔

دل سے جو کہتا ہے میں کچھ بھی نہیں

بس وہی ہے مرد کامل بالیقین

ہماری خوش بختی تھی کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ بدھ کی شام کو الہ آباد سے لکھنؤ تشریف لائے اور مدینہ مینشن مولوی گنج میں قیام فرمایا، جمعرات کو مغرب کے بعد ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ کے مکان پر تشریف لائے اور عشاء کی نماز تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ مجلس رہی، حضرت مولانا اس دور میں ان صوفیاء چشتیہ ونقشبندیہ کا نمونہ تھے جنہوں نے ہندوستان میں اسلام پھیلایا۔

محبت خلق، شفقت وہمدردی، سوز دل، دعوت الی اللہ، اتباع سنت اور تحمل وصبر یہ حضرت مولانا کے بنیادی صفات ہیں، ان کا اصول یہ ہے کہ کھینچنے والے کو بھی پیار کرتے ہیں، اور قریب ہونے والوں اور محبت کرنے والوں پر ہزار بار نثار ہوتے ہیں، فنائیت بے نفسی اور ایثار ان کا شیوہ ہے۔

حضرت مولانا نے دس سال اپنے شیخ حضرت مولانا بدرعلی صاحب کی خدمت میں گزارے، اپنے یہاں سے ۹/۱۰ میل دور غیر ہموار اور جنگل کا راستہ طے کرکے پیدل حضرت کی خدمت میں آتے اور تربیت حاصل کرتے، حضرت مولانا شاہ بدرعلی صاحب حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ تھے، بڑے متبع سنت اور پابند شریعت تھے۔

فرماتے تھے کہ جو بات خلاف سنت میرے اندر دیکھنا بتادینا، اتباع سنت کا بڑا خیال رہتا تھا، وہ دوسرے صفات وکمالات کے ساتھ ساتھ اس صفت میں اپنے شیخ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب کا صحیح اور مکمل عکس تھے، بخاری شریف ان کو پوری یاد تھی، ۱۸/سال کی عمر میں ازہر تشریف لے گئے، وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد شام وعراق گئے، مصر وشام وعراق میں ۱۸/سال گزارے، ایسے جہاندیدہ باکمال ہونے کے باجود اپنے گوشہ گمنامی کو پسند کیا اور ایک عام دیہاتی کی سی زندگی گزاردی لیکن ایسا جانشین چھوڑ گئے جس سے آج رشد وہدایت اور تربیت واصلاح کے چراغ روشن ہورہے ہیں۔

اپنے شیخ کا یہی اثر تھا جو حضرت مولانا کی زندگی میں نئے رنگ وروغن کے ساتھ اور پوری آب وتاب کے ساتھ آیا اوران کی ساری زندگی کو سنت کے رنگ میں رنگ دیا، حضرت مولانا اپنے دور جوانی میں جب کہ ان اطراف میں تبلیغی سلسلہ شروع بھی نہ ہوا تھا بسا اوقات چار پانچ ساتھیوں کو لے کر گاؤں گاؤں پھرا کرتے تھے، اپنے ساتھ تھیلا میں بھنے چنے اور روٹی رکھ لیتے اور اس پر گذارہ کرکے ایک داعیانہ جذبہ اور وارفتگی کے ساتھ گاؤں گاؤں کی خاک چھانتے، لوگوں سے ملتے اوران کو محبت وشفقت کے ساتھ اور حکیمانہ طرز دعوت کواپنا کر مسجد میں جمع کرتے، ان سے دین وایمان کی باتیں کرتے، خدا تعالی کی طرف دعوت دیتے، اس اخلاص سے بھر پور دعوت کی مقناطیسی کشش سے دیکھتے دیکھتے پوری پوری بستیاں ہدایت پاجاتیں۔

ایک مرتبہ چندریہ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے، وہ خان زادوں کی بستی تھی، سب دین سے بالکل بیگانہ تھے، آپ ایک مسجد میں داخل ہوئے، مغرب کا وقت تھا صرف ایک صاحب بیٹھے تھے، نماز پڑھ کر ان سے اس انجان داعی نے بات کی اور لوگوں کے پاس جاجا کر دعوت دی، عشاء کی نماز میں توفیق الٰہی سے ۳۰؍۳۵؍آدمی آگئے، عشاء کی نماز کے بعد تقریر کی، اللہ تعالی نے اس میں وہ اثر پیدا کیا کہ نماز فجر میں ۷۰؍۷۵؍آدمی آئے اور نماز فجر ادا کی۔

ان خان زادوں نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ کھانا ہمارے یہاں کھائیں، حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگ سود لیتے ہیں، میں کیسے آپ کا کھانا کھا سکتا ہوں، زخم خوردہ تو تھے ہی، ساری دستاویزیں اٹھالائے اور مولانا کے پاس ڈالدیں کہ آپ فرمائیں ان کو جلا دیں یا پھاڑ ڈالیں، حضرت مولانا نے فرمایا نہ پھاڑو نہ جلاؤ، اپنا اصل روپیہ لےلو اور سود کی رقم نہ لو۔

اس طرح اللہ تعالی نے حضرت مولانا سے ان دور افتادہ اور غیر معروف گاؤں اور بستیوں میں کام لیا جہاں ان سے پہلے اور داعی نہ پہنچے تھے، مولانا کے خمیر میں دعوت وتبلیغ کا مادہ ہے، ہمیشہ انہوں نے داعیانہ زندگی گزاری اور دعوت کے کام کے لئے دامے درمے قدمے ہمیشہ پیش پیش رہے، توحید اتباع سنت، رد شرک وبدعت یہی وہ موضوع تھے جن پر مولانا جگہ جگہ تقریریں کرتے اور نتیجتاً کبھی سخت تکلیفیں اور مشقتیں بھی اٹھانی پڑتیں، یہی دعوت کا کام ہے، جو مولانا کی غذا ہے اوراسی سے ان کی حیات ہے، اگر ان کو ہر چیز مہیا کردی جائے اوران سے کہا جائے کسی سے معارف وحقائق کی باتیں نہ کیجئے اور دعوت نہ دیجئے تو وہ زندگی باقی نہیں رکھ سکتے۔

اللہ تعالی نے حضرت مولانا کے ہاتھ پر بہت سے نام کے مسلمانوں کو جو اسلام سے اتنا دور تھے جتنا کہ کوئی غیر مسلم ہوسکتا ہے، صحیح معنی میں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر وہ صادق مسلمان ہوئے اس کے علاوہ کتنوں کی زندگیاں سدھریں، کتنے تائب ہوئے، کتنے معارف آگاہ ہوئے، کتنے غلط افکار اور غلط فلسفہ حیات کے مارگزیدہ شفایاب ہوئے، ان کی تعداد کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

آج بھی ان کی زبان سے معارف وحقائق کے ایسے بیان سننے میں آتے ہیں جو کبھی حافظؒ ورومیؒ سے سنے گئے تھے، مولانا کی کسی بات میں تکلف اور تصنع نام کو نہیں ہوتا کیونکہ جو اس لئے بول رہا ہوں کہ خدا اسے بلوا رہا ہے، اس کے بول میں غیر اللہ کی آمیزش کیسے ہوسکتی ہے، مولانا کے بیان میں سادگی کے ساتھ عجیب تأثر اور انفعال کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور جب وہ شعر پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہیں اور سامعین سطح آب پر بلبلوں کی ہست وبود کا نظارہ کررہے ہیں اور نغمہائے عرفان کے ساز سے اپنے کان آشنا کررہے ہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنے والا یہی چاہتا ہے کہ یہ مجلس ختم نہ ہو اور مجلس سے اٹھتا ہوا پڑھتا ہے:

ایسا کلام پھر نہ سنا اس سخن کے بعد
مجذوب یعنی خواجہ عزیز الحسن کے بعد

حضرت مولانا کے کلام میں اس عجیب البیلی سادگی کے ساتھ ادب عالی کے وہ جواہر پارے ہیں جس کا حسن اس کی آمد، روانی اور رنگا

رنگ موزونیت میں ہے، یہ حیرت کی بات ہے کہ ان کا پورا دیوان جو ہزاروں شعروں پر مشتمل ہے کسی غور وفکر، ذہنی کاوش اور دماغی کوشش کا نتیجہ نہیں، وہ ابر کا لبریز ٹکڑا ہے، جس کو ان کے قلب مزکی کی جولانیاں برسا دیتی ہیں، اور پے در پے کلام ایک عارفانہ موزونیت میں ڈھلتا چلا جاتا ہے، اس حقیقت کا مشاہدہ اس وقت کھلی آنکھوں ہوجاتا ہے جب مولانا اپنے اشعار خود پڑھتے ہیں، وہ پڑھتے کیا ہیں ایسا سرمدی ساز چھیڑ دیتے ہیں جس پر ہزاروں مجازی ساز قربان، اس ساز کا سننا صرف کان کے حصہ میں نہیں آتا آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور قلب میں جو احساس ہوتا ہے زبان اس کو ادا نہیں کرسکتی ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا عملی مشاہدہ یہیں ہوتا ہے۔

مولانا کا بیان اور خصوصی مجلسیں بھی نرالی ہوتی تھیں، وہ کسی ایک سے گویا تخاطب فرماتے رہتے ہیں اور حقیقتاً سب سے فرماتے ہیں، لیکن ان کی عمیق فراست اور عارفانہ دوراندیشی ایک ایک امراض کا علاج بتاتی چلی جاتی ہے، ایک مجلس میں کبھی کئی کئی موضوع اثناء کلام میں اختیار کئے جاتے تھے، کمال یہ ہے کہ ان کے بیان میں بے ربطی محسوس نہیں ہوتی اور فراست کا عالم یہ ہے کہ کتنوں کی دکھتی رگ پکڑ لی جاتی ہے، اس کا مشاہدہ کتنی بار ہوا کہ ایک نیا شخص حاضر ہوا جس کو حضرت نہ جانتے تھے، نہ اس کے احوال سے واقف تھے؛ لیکن اس کے کسی اہم مرض کی طرف عام خطاب میں اس طرح توجہ دلائی کہ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ یہ اشاروں کنایوں میں کیا کہا جارہا ہے، اور پھر یہ دیکھا جاتا کہ آنے والا ندامت اور خوف خدا کا نشتر دل میں لیجاتا اور توبہ کی توفیق پاتا۔

مولانا کی مجلسوں سے تربیت واصلاح اور ہدایت وارشاد اس سلسلہ میں رشد وہدایت کو تادیر قائم رکھے، اگرچہ:

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

لیکن اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے، ساقی آنکھوں کے سامنے نہ ہوتو اس کے جام ومینا ہی سہی ان چند دنوں میں کئی مجلسیں رہیں، جن میں سے آج ہم پہلی مجلس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ ہم حضرت مولانا کے الفاظ بعینہٖ قلم بند نہ کرسکے، اشارات کی مدد سے حضرت مولانا کی بات ادا کرنے کی کوشش کی ہے، بروز جمعرات ۱۶؍ دسمبر بعد مغرب پونے سات بجے سے پونے آٹھ بجے تک برمکان مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ فرمایا: ''اللہ تعالی نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ جہاں کہیں کسی اللہ والے کا تذکرہ سنا اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جن بزرگان دین کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے بڑی محبت کا معاملہ فرمایا، فرمایا ابتداءً ایک شیخ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت مکمل یکسوئی اور انقطاع کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جب رسوخ کسی قدر پیدا ہوجاتا ہے پھر شیوخ کی تعداد نہیں ہوتی، جہاں نفع دیکھا نشیب زمین بن کر حاضر ہوئے اور استفادہ کرلیا، تدریج کی افادیت اور اس کے علمی ثمرات کو سمجھانے کے لئے بطور مثال فرمایا ''ایک بار خوب زور دار بارش ہوجائے پھر دو مہینہ بارش نہ ہوتو فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا، بتدریج حصول نافع ہوتا ہے'' تدریجی کام سہل بھی ہوتا ہے اور ثابت ودائم بھی، خواجہ صاحب کا شعر ہے:

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آسان
جو دشوار کرلو تو دشواریاں ہیں

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے راہ آسان ہی رکھی ہے، فرمایا کہ ''اللہ تعالی کی نعمتیں بہت ہیں ''وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا'' لیکن بندہ توجہ نہیں کرتا۔

فرمایا علماء دعوت تو دے لیتے ہیں؛ کیونکہ محض علم معلومات تو دے سکتے ہیں لیکن معلوم تک پہنچا نہیں سکتے، ہاں عمل کرلینا صوفیہ کا کام ہے، کیونکہ ان کی توجہ عمل ہی کی طرف رہتی ہے وہ جانتے ہیں اس سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو کرلیتے ہیں اس کو ناقص سمجھتے ہیں، اور مزید کی خواہش وطلب میں لگے رہتے ہیں۔

فرمایا عمل کی دو قسمیں ہیں: عمل مطابق سنت اور عمل بالاخلاص، اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی پیش نظر ہو، مخلوق نظر سے معدوم ہوجائے، فرمایا شیخ کامل خود اپنے میں کرامت دیکھتا ''وفی انفسکم

افلا تبصرون" اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوسکتی ہے کہ وہ پہلے گناہوں میں لذت محسوس کرتا تھا، اب طاعت میں اس کو لذت وحلاوت محسوس ہوتی ہے۔

یہ بجائے خود کتنی بڑی کرامت ہے، فرمایا مومن اور کافر کے عمل میں بڑا فرق ہے "ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون...... کلوا وتمتعوا قلیلاً انکم مجرمون" آج کیا حال ہے کہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں مگر ہم پر اثر نہیں ہوتا، وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کے لئے سنتے ہی نہیں، اپنی غلطیوں کو نہ ٹٹولتے ہیں نہ ان پر نادم ہوتے ہیں، اس کے برخلاف اللہ والے سے ذرا غلطی سرزد ہوئی فوراً کیفیت تبدیل ہوجاتی ہے اور بے چینی وبے قراری کے ساتھ توبہ کرتے ہیں، مضطرب اور پریشان ہوکر اور اپنے قصور کا اعتراف کر کے حضور کی دولت سے نوازے جاتے ہیں:

کبھی طاعتوں کا سرور ہے کبھی اعتراف قصور ہے
ہے ملک کو جس کی نہیں خبر وہ حضور میرا حضور ہے

اس اعتراف قصور سے فرشتے بھی ناآشنا ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ اگر میرے بندے گناہ نہ کرتے تو میں ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے پھر توبہ کرتے "ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین" بایزید بسطامی فرماتے ہیں: "ہم نے توبہ کی گھاٹی کو بہت سخت پایا" توبہ کا یہ مرتبہ جبھی تو ہے کہ صرف زبان توبہ کی اصل حقیقت ندامت اور اپنے خدا سے شرم اور انفعال کی وہ کیفیت ہے جس میں بندہ اپنے رب سے گڑگڑا کر گریہ وزاری کر کے اپنے گناہ معاف کروا لیتا ہے، عدم استقامت، غیر مستقل مزاجی اور کیفیات کا اختلاف سالک کے لئے مال کو بہت دور اور دشوار کر دیتا ہے اور بسا اوقات عمر گزر جاتی ہے اور ہاتھ کچھ نہیں آتا، اس حقیقت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

"نل کے نیچے برتن رکھو اور جب بھی تھوڑا پانی آئے اس کو الٹ دو تو کیا وہ بھر سکتا ہے، اسی طرح ہم تھوڑی دیر، دینی مجلس میں پرکیف روحانی وقت گزاریں پھر جو کچھ پایا تھا سب الٹ کر چلے آئیں، تو کیا پھر ہمارا ظرف کبھی صلاح وتقوی سے پر ہوسکتا ہے"۔

لیکن اگر برتن نل کے نیچے رہے پانی آتے آتے بھر جائے تو پھر بے اختیاری سے بہتا بھی ہے، اسی طرح جب قلب پر فیض پر واردات آتے ہیں تو اس وقت اہل دل اور اہل اللہ کی زبانوں سے فیض جاری ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کو نفع ہوتا ہے۔

بلاوجہ بولنے، لغوبات کرنے اور ہر جگہ دخل دینے سے بچانے کے لئے صوفیہ نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے، جس کے بارے میں حضرت نے فرمایا "مقتدی اور متوسط کو خاموش رہنا چاہئے یہاں تک کہ تم کو بلوایا جائے کیونکہ اگر بالارادہ بولو گے تو اس میں تکلف وتصنع ہوگا اور جو بات بھی تکلف وتصنع کے ساتھ کہو گے بے اثر ہوگی، باتوں میں تاثیر جذبات، انفعالات اور کیفیات کی بنا پر آتی ہے جو دل ان سے خالی ہوتا ہے، اس کی زبان بے اثر ہوتی ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں "یا اللہ میں تو گونگا تھا (کیونکہ انہوں نے ایک طویل زمانہ خلوت اور انقطاع عن الخلق کا گزارا تھا، اسی زمانہ کو اپنے گنگ ہونے کے زمانہ سے تعبیر کیا) آپ نے مجھے بلوایا، اگر میرے بولنے سے نفع نہ ہوتا ہو تو مجھے پھر گونگا کر دیجئے:

یہ ہے اللہ والوں کا محاسبہ، وہ باتیں اس لئے نہیں کرتے کہ باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے بلکہ اس لئے کہ اللہ کی مخلوق اللہ کی باتوں کی محتاج ہے، فرمایا کبر وبڑائی کو پاؤں سے روند دینا چاہئے ہاں "اما بنعمة ربك فحدث" اللہ تعالی کی نعمتوں کا بیان تحدیث نعمت کے طور پر کرو، اللہ تعالی کے انعامات واحسانات کا ذکر بطور تحدیث نعمت کرنا مستحسن ہے، لیکن مقصد تحدیث نعمت اور شکر خداوندی ہو تب ہی۔

فرمایا "حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں علم، عمل اور اخلاص تین چیزیں ہیں، یہ ہی خلاصہ ہیں سارے احسان وتصوف کا اور اخلاص سب پر حاوی ہے، اسی سے علم وعمل پر احسان کا رنگ چڑھتا اور اسی سے ان میں نور پیدا ہوتا ہے: "ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین، اولئك حزب الله الاان حزب الله هم

المفلحون" اہل اللہ کے نزدیک وہ شخص نابالغ ہے جس کے دل سے ھویٰ اور خواہش نہ نکل جائے:

تزکیہ ہے دل کا شرط اوّلیں

وہ ابھی حقائق سے ناواقف ہے، کم فہم اور نور فراست سے محروم ہے جس نے اپنے نفس پر قابو پانا نہ سیکھا اور خواہشات نفسانی کا اتباع کرتا رہا، فرمایا کہ "بندہ اچھی سے اچھی چیزیں کھائے پھر زہر کھالے ایسا ہے کہ نیکیوں کے ساتھ گناہ ملالے، پھر توبہ نہ کرے بلکہ تکبر کرے۔

گناہ بشری تقاضہ اور بشریت کے ساتھ لازم ہے لیکن مومن گناہ کر کے اس پر قائم نہیں رہتا، وہ گناہ کے داغ سے بے چین ہوجاتا ہے، اور اس داغ کو مٹانے کے لئے اپنے تن کو داغدار اور اپنے پیرہن کو تار تار کرڈالتا ہے، اپنے رب کو مناتا ہے، اپنی عاجزی، بے کسی اور بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل مطمئن ہوجائے کہ اس کا رب اس سے راضی ہوگیا، خواجہ صاحب کا شعر ہے:

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنادیا ❁ ناقص کو ایک نگاہ میں کامل بنادیا

اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ طلب صادق ہے یا کاذب، اگر طلب صادق ہے، تو کبھی ایک نگاہ میں زخم خوردہ محروم حقیقت دل حقیقت آشنا اور نور عرفان آگاہ بن جاتا ہے کبھی بے کیفی طاری ہوجاتی ہے اور ذوق نہیں رہتا اور قبض کی حالت طاری ہوجاتی ہے، فرمایا اس وقت دنیا آنکھوں میں اندھیری ہوجاتی ہے اور بے کلی اور تڑپ مرغ بسمل بنادیتی ہے:

نہ وہ ذوق ہے نہ وہ شوق ہے نہ وہ کیف ہے نہ سرور ہے

ہے ہر ایک چیز ہی بے مزہ جو نظر سے اپنی تو دور ہے

لیکن یہی ہجر و فراق کام و دہن کو وہ لذت بھی بخشتا ہے جس پر ہزار حضوریاں قربان ہوں، عاشق صادق کو اپنے محبوب حقیقی کے نام رٹنے میں جو مزہ ملتا ہے اور اس کی یاد میں جو کیف و سرور میسر ہوتا ہے وہ بسا اوقات لقاء اور حضور میں نہیں ہوتا:

تیرا ذکر ہے تیری یاد ہے تیرا نام تیرا پیام ہے

ہے اگر نصیب تری رضا تو یہ ہجر جان حضور ہے

محبوب کے نام کی یہ رٹ اور آٹھوں پہروں کا ذکر محبّ حقیقی کی روح کو زندگی اور نشاط بخشتا ہے، اس کو بھی لن ترانی کا پیام ملتا ہے تو وہ اس کو حرماں نصیبی سمجھ کر در سے لوٹ نہیں آتا، بلکہ وہ رٹ لگا تا رہتا ہے، اور جذب کے عالم میں دیوانگی کی ایسی صدائیں بلند کرتا ہے، جس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں اور ہفت افلاک کے کلیجے پھٹ پھٹ جاتے ہیں:

تیری یاد دل کی میری غذا تیرا نام روح کی ہے شفا

تیرا بھولنا میری موت ہے، تیرا ذکر حاصل طور ہے

قرآن کریم میں انہیں رٹ لگانے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:"والذاکرین اللّٰہ کثیرا والذاکرات اعداللّٰہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما، یاایھاالذین آمنوا اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ وأسیلا" اتباع سنت اور ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر نظر اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جوش اتباع کا نتیجہ ہے، یہ احسان کی روح ہے، فرمایا: مسجد میں داہنے پاؤں سے داخل ہونا سنت ہے، بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں سنت سمجھتے ہوئے پہلے رکھنا ہزار مرتبہ ہوا میں اڑنے سے افضل ہے، ہوا پر اڑ کر اگر کرامت کا مظاہرہ کیا تو اس سے کیا حاصل، کیا ملا؟ روح کو کیا ترقی ہوئی؟ عمل کتنا درست ہوا، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نگاہ ہٹ جائے تو ہلاکت ہے، پھر کھلے شرک اور کبائر میں مبتلا ہونے کا اور خطرہ ہے"

"اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ" فرمایا، ہمارا شیخ بھی صرف خدا تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔

وہ اس راہ کی سالہا سال رہ نوردی کر کے ایک مرد کامل اور تجربہ کار مربی ہوجاتا ہے، اب اس کا کام یہ ہے کہ جن گھاٹیوں سے وہ گزرا ہے اس کا پتہ اپنے شاگردوں کو بھی دیدے تا کہ ان پر راہ آسان ہوجائے، ممکن ہے کہ یہ مرد قلندر کسی مکتب کا پروردہ اور کسی مدرسہ کا سند یافتہ نہ ہو اور انبیاء کرام کب مکتب و سند اور دستار کے محتاج تھے" وعلمناہ من لدنا علما" اللہ تعالیٰ قلب میں علم ڈال دیتے ہیں اور ایک نور عطا فرمادیتے

ہیں، جو حق و باطل صحیح وغلط میں امتیاز پیدا کرتا ہے وہ احکام الٰہی اور قوانین الٰہیہ کے بارے میں اتنے ذکی الحس اور لطیف ذوق واقع ہوتے ہیں کہ عمل کی شکل دیکھ کر اس کی حقیقت پہچان سکتے ہیں اور اس کے صواب وناصواب ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں، وہ اگر مسائل قانونی شکل میں نہ جانتے ہوں اور مسائل کسی عالم سے ہی پوچھ لیتے ہوں، لیکن ان کا عمل ''مدرسی علم'' کے بغیر بھی آبگینہ کی طرح شفاف اور بے داغ ہوتا ہے، ان پر قرآنی آیات کے دقیق معانی، اشارات، نکات اور حقائق ولطائف منکشف ہوجاتے ہیں اور ہر مرتبہ تدبر وتفکر سے حقائق کے سرچشمے پھوٹتے ہیں، ان کا علم ہر آن بڑھتا رہتا ہے، ترقی پذیر ہوتا ہے"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین"۔

فرمایا: استقامت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک تو شیخ سے محبت ہو اور دوسرے اتباع سنت ہو، یعنی ایک طرف تو جس کو ٹھونک بجا کر اور مرد کامل پا کر اپنا شیخ بنایا ہے اس سے تعلق ومحبت ہو کیونکہ محبت کچھ بھی نہیں دوسری طرف شریعت کا دامن نہ چھوٹے، بدعت کے پاس نہ پھٹکے، اس طرح ثبات اور استقامت حاصل ہوسکتی ہے اور گمرہی سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

علم نبوت کو شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نور نبوت کو احسان سے دونوں میں سے کوئی دوسرے سے جدا ہوجائے تو کمال پیدا نہیں ہوسکتا اور حق کا کامل اتباع نہیں ہوسکتا، فرمایا ''پنجاب کے ایک صاحب آئے اور اپنا تعارف مولانا...... کے ذریعہ کرایا، حضرت نے ڈانٹا اور غصہ میں فرمایا، کیوں آئے ہو؟ کہاں حضرت اسی کو مٹانے آیا ہوں۔

ایک صاحب داڑھی نہیں رکھتے تھے، حضرت تھانویؒ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت نے فرمایا کہ فلاں تاریخ کو ملنا، کسی صاحب نے فرمایا کہ ارے داڑھی رکھ کر جاؤ، حضرت سے تعلق رکھتے ہو، حضرت کو بہت ناگواری ہوگی، انہوں نے کہا کہ میں تو بیمار ہوں داڑھی رکھ کر جاؤں گا، تو یہ داڑھی رکھنا حضرت کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہ ہوگا۔

پھر حضرت کے پاس گئے اور عرض کیا میرا دل مریض ہے، میرا علاج کریں تو درحقیقت بات یہ ہے کہ اگر ظاہر ٹھیک نہ ہو دل ٹھیک ہو تو جلدی اصلاح کی امید ہے لیکن اگر دل ٹھیک نہ ہو تو ظاہر ٹھیک کرنے سے کچھ نہیں بنتا؛ لیکن دل کی اصلاح کے ساتھ، خواہ دیر ہی سہی ظاہر کی بھی اصلاح ضروری ہے''۔

فرمایا ایک بزرگ بیٹھے تھے ان کے اردگرد حاضرین مجلس اور متوسلین بیٹھے تھے، دیکھا کچھ لوگ لکڑی لا رہے ہیں اور جلا رہے ہیں، تو ان بزرگ نے مریدین وحاضرین سے پوچھا کہ اگر یہ لکڑیاں گیلی ہوتی تو چلتیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ آگ کے شعلے اسی کے اندر تھے یا نہیں؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان میں عجیب صلاحیتیں پوشیدہ رکھی ہیں، اگر کوئی آگ لگانے والا مل جائے، تو یہ صلاحیتیں بھڑک اٹھتی ہیں اور چمکنے لگتی ہیں۔

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے، دل مشکل سے بنتا ہے، لیکن یہ مشکل آسانی سے حل ہوجاتی ہے، شرط ارادہ اور پختہ، غیر متزلزل اور غیر تذبذب عزم ہے، پھر اس راہ کے طے کرنے کیلئے صرف دو ہی قدم ہیں:

کام لے ہمت چل اب کوئے جاناں کی طرف
تو نہ گھبرا فاصلہ کچھ بھی نہیں دو گام ہیں

ایک قدم ''لا الٰہ'' کا، کامل نفی کا، ہر چیز سے نظر ہٹا لینے کا، ہر طرف سے دل کو کاٹ لینے کا۔

دوسرا قدم الا اللہ کا صرف خدا کی ہستی سے لو لگانے کا، اپنے معبود کی یاد کا اور اپنے حقیقی حاکم کے احکام ومرضیات کے لئے اپنی خواہشات کو تج دینے کا۔

نظر ان کی نظر اپنی، پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

دو قدم ہیں ایک نفی کا، ایک اثبات کا، ہر طرف سے کٹ کر خدا کے ہو جائے، دنیا میں رہ کر اور اس کو برت کر دل کو یکسو رکھو۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن ❁ نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

جوامع الکلم

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

چند جوامع الکلم اور ان کا ادبی وتربیتی پہلو

مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری

تکلم انسان کے عادات واخلاق، کردار اور مرتبہ کو پوری طرح واضح کرتا ہے، موضوعات اور الفاظ کا انتخاب فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ، لہجے کا اسلوب، اور بیان کا زور، یہ ساری چیزیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ متکلم کس پائے کی شخصیت کا علمبردار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک داعی کی تھی، اس لئے تبلیغ وتعلیم اور تزکیہ اور سیاسی نظام چلانے کے لئے لوگوں سے رابطہ ضروری تھا، جس کے لئے سب سے اہم ذریعہ تکلم ہے اور تکلم کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خاص اپنا وصف قرار دیتے ہوئے فرمایا "اعطیت بجوامع الکلم"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفت و شنید تربیتی انداز پر مبنی!:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا طریقہ سہولت وبشارت کی اساس پر قائم ودائم ہے "یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر"، تعلیم وتربیت کے میدان میں منہاج نبوت کی ایک بڑی خوبی عمومیت وہمہ گیری بھی ہے، وہ کسی قوم، کسی امت، کسی زبان کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ان کا تعلیمی وتربیتی طریقۂ کار جامع ہونے کے ساتھ متوازن بھی ہے، کسی حادثہ کے سلسلہ میں آپ کا کوئی بھی موقف رہا ہو، لیکن اس میں عبرت آموزی، تعلیم وتربیت اور اصلاح کے لئے ایک پختہ طریقۂ کار اور ایک خصوصی منہج مضمر ہے، دوسرے خطاب میں عمومیت، جب کوئی ناپسندیدہ خبر معلوم ہوتی تو نام لے کر تنبیہ نہ فرماتے، بلکہ "ما بال اقوام یقولون کذا و کذا" گفتگو میں الفاظ اتنا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کر لیتا بلکہ الفاظ ساتھ ساتھ گنے جا سکتے تھے، ام معبد نے کیا خوب تعریف بیان کی ہے، کہ "گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی" الفاظ نہ ضرورت سے کم نہ زیادہ، نہ کوتاہ سخن نہ طویل گو، تاکید، تفہیم، اور تسہیل حفظ کے لئے خاص الفاظ اور کلمات کو دہراتے بھی تھے، گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کے لئے ٹیک سے اٹھ کر سیدھے بیٹھ جاتے، اور خاص جملوں کو بار بار دہراتے، حاضرین کو کسی بات سے ڈراتے تو تکلم کے ساتھ ساتھ زمین پر ہاتھ مارتے، بات کی وضاحت کے لئے ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارات سے بھی مدد لیتے، کبھی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم دگر آر پار کر کے مضبوطی یا جمعیت کا مفہوم نمایاں کرتے، تعجب کے موقعوں پر ہتھیلی کو الٹ دیتے، یہ آپ کی گفتگو کا تربیتی انداز تھا، جس سے بات پوری طرح سہل اور سمجھ میں آتی تھی۔ (ملاحظہ ہو الروائع والبدائع فی ادب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نبوی کا تربیتی پہلو)

مہذب خاندان کا یہ ممتاز فرد عرب کی فصیح ترین زبان سے آراستہ تو تھا ہی، پر وحی کی "لسان مبین" نے حسن گفتگو کو اور بھی صیقل کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، اور آپ کا شمار دنیا کے بلیغوں میں ممتاز ونمایاں تھا، آپ کے کلام کا جہاں ادبی معیار بہت بلند تھا، وہاں اس میں سادگی بھی تھی، اور پھر کمال یہ بھی مضمر تھا کہ کبھی گھٹیا اور بازاری زبان استعمال نہیں کی، اور نہ کبھی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (الحرب خُدعۃ) پر بحث کرتے ہوئے ثعلب کا کہنا تھا کہ "ھی لغۃ النبی" یہ نبی کریم کی مخصوص زبان تھی، بے شمار اصطلاحات رائج کیں، تراکیب، تشبیہیں و تمثیلیں وضع کیں، خطابت کا نیا انداز نکالا، ایک مرتبہ بنو نہد کے لوگ آئے تو اثنائے گفتگو میں آنے والوں نے تعجب سے کہا، اے اللہ کے

نبی ہم اور آپ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ایک ہی مقام پر پرورش پائی، پھر کیا بات ہے کہ آپ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں کہ جس کی لطافتوں کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے، حضورؐ نے کیا خوب جواب عنایت فرمایا"إن الله عزو جل أدبني فأحسن أدبي و نشأت في بني سعد بن بكر" میری لسانی تربیت خود اللہ عزوجل نے فرمائی ہے، اور میرے ذوق ادب کو خوشتر بنادیا، نیز میں نے قبیلہ بنی سعد کی فصاحت آموز فضا میں پرورش پائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان یہ تھی کہ آپ کی زبان مبارک سے ادا کئے ہوئے مختصر ترین کلمے مصنوعی لحاظ سے بڑی وسعت رکھتے تھے، کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے میں سرور عالمؐ اپنی مثال آپ تھے، اور آپ نے اسے خصوصی عطیات رب میں شمار کیا۔

یہاں چند جوامع الکلم آپ کے روبرو پیش کرتے ہیں:

سب سے پہلے نمونہ کے طور پر وہ حدیث سامنے آتی ہے جس کو اکثر محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں اولیت وفوقیت دی ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روای ہیں، فرمایا"انما الاعمال بالنيات" جس کی تشریح محتاج بیان نہیں"المرء مع من أحب" آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو"اسلم تسلم" تم اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے"الولد للفراش و للعاهد الحجر" بیٹا اس کا جس کے بستر پر یعنی گھر پر ولادت پائے اور زانی کے لئے پتھر"الحرب خدعة" جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے"ليس الخبر كالمعاينة" شنیدہ کے بود مانند دیدہ"المجالس بالأمانة" مجالس کے لئے امانت (رازداری) لازم ہے"تـرك الشـر صـدقة" برائی سے باز آنا بھی صدقہ (نیکی) ہے"سيد القوم خادمهم" قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے"كل ذي نعمة محسود" ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے"الكلمة الطيبة صدقة" اچھی اور بھلی بات بھی ایک صدقہ ہے"من لا يرحم لا يرحم" جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ موتیوں کی سی لمعانی رکھتے ہیں، تھوڑے الفاظ ان کا خوش آئند گھٹاؤ، معنوی گہرائی، دل پر اثر کرنے والی روحِ اخلاص کلامِ نبوی کے امتیازات میں سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ احادیث کی تشریحات میں ضخیم ضخیم اور بھاری بھاری جلدیں کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور مقررین وواعظین انہی پر سہارے لیتے ہیں، مصنفین ومؤلفین یہیں آکر پناہ حاصل کرتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفہ اور علم کلام پر قدرت رکھنے والے انہی احادیث کو محل استشہاد قرار دیتے ہیں فقہاء ومحدثین اپنے اپنے مذہب کی بنیاد ان احادیث پر رکھتے ہیں اور ان احادیث کی تہ میں اتر کر مسائل کا حل امت کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور کہنہ مشق ادباء و بلغاء اپنے مضامین کی اساس انہیں زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ پر رکھتے ہیں، اور بڑے بڑے نحوی وصرفی انہیں کو سامنے رکھ کر قواعد وضوابط تیار کرتے ہیں، اور علمی موشگافیاں کرتے ہیں، آپ کے کلام کی وہ مثال بھی پیش کرتا چلوں جو بلاغت میں اعلیٰ معیار رکھتی ہے، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ انسانوں کو دوزخ تک پہچانے کے موجبات زیادہ تر کیا ہیں، فرمایا:" الفم و الفرج "۔(مشکوۃ، کتاب الایمان)

یعنی دہن اور شرمگاہ، دہن سے کلام اور طعام دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے، اور شرمگاہ سے جنسی داعیات کی طرف روزی کا حلال نہ ہونا اور جنسی جذبات کا بے راہ رو ہونا انسانوں کی عاقبت کو سب سے زیادہ برباد کرنے والا ہے، اس وقت بیشتر مسائل ان دو چیزوں کی وجہ سے پیش آرہے ہیں، حضرت علیؓ نے ایک بار حضورؐ سے دریافت کیا کہ حضورؐ کی سنت (طریقہ) کیا ہے، آپؐ نے مختصراً جس فصیح انداز سے جواب دیا، اور اس جواب میں اپنے طرز فکر اپنے کردار اور اپنی روحانیت کی جامع تصویر کھینچ دی وہ بجائے خود انسانی کلام کی تاریخ میں ایک اعجاز ہے، ملاحظہ ہو"المعرفة رأس مالي، والعقل أصل ديني، و الحب أساسي، و الشوق مركبي، و الصبر ردائي، والرضاء غنيمتي، والعجز فخري، و الزهد حرفتي، و اليقين قوتي، والصدق شفيعي، والطاعة حسبي، والجهاد خلقي،

وقرة عینی فی الصلاۃ"۔

میرا اصل مال تو معرفت ہے، میرے دین کی جڑ عقل ہے، میری بنیاد محبت ہے، میری سواری شوق ہے، میرا انیس ذکر الٰہی ہے، میرا خزانہ اعتماد بر خدا ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضائے سبحانی میرا مال ہے، عاجزی میرے لئے وجہ اعزاز ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری غذا ہے، صدق میری سفارش ہے، طاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آپ کے انداز گفتگو کا اگر کوئی عنوان باندھا جا سکتا ہے، تو قرآن کریم کے اس جملہ سے ''قولوا للناس حسناً '' لوگوں کو حسن تکلم سے خطاب کرو، آپ کا حسن کلام سادگی کی شان لئے ہوئے تھا، فصاحت و بلاغت کا تعلق الفاظ سے بھی ہوتا ہے، اور معانی سے بھی، اسلوب کلام سے بھی ہوتا ہے اور مناسب موقع سے بھی، قائل کی شان سے بھی ہوتا ہے، اور ملکی وقومی و شخصی خصوصیت سے بھی، جب کلام ان جملہ اوصاف پر حاوی ہو تو وہ بلاغت کے ذروۂ اعلیٰ پر پہنچ جاتا ہے جیسا کہ صاحب ''البلاغۃ الواضحہ'' نے تحریر فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ جملہ اوصاف اس فراوانی سے موجود ہیں کہ جو ہر شناس کو اندازہ فصاحت لگانے میں اعتراف قصور کے سوا کوئی چارہ نہیں، چند اقوال مبارک تحریر کرتا ہوں جن میں وضاحت بیان، ایجاز کلام، جزل الفاظ، صحت معانی اور فصاحت و بلاغت کی تمام اقسام سما جاتی ہیں اور ترتیب کا ایسا حسن انداز ہے جس پر صحابہ بھی ناز کرتے ہوں، مثبت انداز میں بات پیش کردی گئی ہے اور فصاحت و بلاغت کا ٹھاٹا مارتا سمندر بھی پنہاں ہے "ثَلاثٌ مُنجِّیَاتٌ وَ ثَلاث مھلکات" نجات دہندہ تین باتیں ہیں اور ہلاک کنندہ بھی تین باتیں ہیں "فاما المنجّیات" نجات دہندہ یہ ہیں:

(۱) "فخشیة الله فی السرو العلانیة" ظاہر و باطن میں اللہ کے لئے عاجزی کرنا۔ (۲) "والإقتصاد فی الغنا و الفقر" فراخ دستی و تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔ (۳) "والحکم بالعدل فی الرضا و الغضب" عدل کرنا خواہ وہ فریق مقدمہ سے خوش ہو یا ناخوش ہو۔

واما المھلکات ہلاک کنندہ یہ ہیں: (۱) "فَشُحٌ مطاعٌ" بخل جو تم پر حکم کرنے لگے۔ (۲) "وھوی مُتبعٌ" خواہش بے جا جس کے پیچھے تم لگ چلو۔ (۳) "واعجاب المرء بنفسه" خود پسندی۔

الغرض نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت اس درجہ مسلم تھی کہ مخالفین کے زمرہ میں منکرین نبوت تو ہوئے، مگر فصاحت و بلاغت سے انکار کرنے والا جزیرۃ نما عرب میں کوئی موجود نہیں، آپ کی زبان کبھی نسیم سحر کی طرح، کبھی آب جو کی طرح، اور کبھی تیغ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی، جب احکام خداوندی کی پامالی کی جاتی، اخلاق کے بارے میں کتنے مختصر جملوں میں وضاحت کی "طوبیٰ لمن ذلت نفسه و حسنت خلیقته" اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جس نے اپنے نفس کو مارا اس کے اخلاق اچھے ہوئے، اس وقت دنیا میں ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ کا متمنی ہے، پریشان و سرگرداں ہے، بربادی و پریشانی میں خود کو ڈالے ہوئے ہے، اور پیارے رسول کا پیارا کلام ملاحظہ فرمایئے: "ما ھلك امرؤ عرف قدرہ" وہ شخص کبھی تباہ نہیں ہوگا جس نے اپنی حیثیت جان لی۔

انسانیت کا خیال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت تھا، اور ہر قدم اسی کے لئے بڑھتا تھا، اور تمام جدوجہد و ساری تگ و دو اسی کے لئے تھی، فرمایا: "من عامل الناس فلم یظلمھم و حدثھم فلم یکذبھم و وعدھم فلم یخلفھم فھو من کملت مروءته وظھرت عدالته و وجبت أخوته و حرمت غیبته" جس شخص نے لوگوں سے معاملہ کیا، اور ان پر ظلم نہ کیا، ان سے بات کی اور جھوٹ نہ کہا، اور نہ ہی ان سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کی، وہ ان میں سے ہے جن کی انسانیت پوری ہوگئی، اور جن کا انصاف ظاہر ہوا، ایسے شخص کی اخوت واجب اور غیبت حرام ہے، آپ نے اس عظیم ذمہ داری کو انجام دینے میں جس حوصلہ مندی، برداشت اور نفس کشی کا ثبوت دیا، اور اصلاح کے لئے جدوجہد کا جو سلسلہ جاری کیا، وہ ایک بے مثال کارنامہ ثابت ہوا، جس کی اثر

انگیزی کی کھلی دلیل سامنے آئی، اور ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جو ایمان اور حق کے لئے قربانی اور اصلاح وارشاد کے کاموں پر اپنی صلاحیتوں کو بے دریغ صرف کرنے والی بنی، ان میں سے ایک ایک شخص انسانی نسل کا ہیرا بن گیا، جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دل ان کے احساس عظمت میں ڈوب جائے یہ سب اسی تربیت کے نتیجہ میں ہوا، ان قیمتی نکات اور مختصر جملوں مگر وسیع وعمیم مفہوم، شریعت کا نچوڑ، اور اعلی کردار سازی اور ''یا غلام سم اللہ کل بیمینک وکل مما یلیک'' اے بچو، اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، جیسے مشفقانہ ومربیانہ انداز تخاطب نے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کیا، یہاں تک کہ خدا تعالی نے بھی اپنی خوشنودی کا اعلان ان کی زندگیوں میں ہی کر دیا''رضی اللہ عنهم ورضوا عنه'' دوسری جگہ ان کے اعلیٰ اخلاق، سیرت وکردار کی بہتری کی خوبیوں کا تذکرہ بڑی پسندیدگی کے ساتھ فرمایا''وعباد الرحمن الذین یمشون علی الأرض هونا'' یہ وہ حضرات تھے جو اپنی سیرت وکردار سے اس زمین میں آسمان کے ستاروں کی طرح روشن ہوئے، ان کی زندگی صلاح وتقویٰ، ہمدردی ومحبت انسانیت، حسن عمل، بلند کرداری کی حامل تھی، یہاں تک کہ ان کو سنوارنے والی شخصیت نے بھی ان کو ستارہ کہا''اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم'' آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان جیسے پاکیزہ نفوس کے نقش قدم کو اختیار کیا جائے، تاکہ اشاعت اسلام اور خدا کے پیغام کو اس دنیا میں عام کرنے میں آسانی ہو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ ❁❁❁

صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے! **اعلان** صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے ادارہ ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیۃ'' میں ایک اسلامک سینٹر کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کا تعمیری کام شروع کر دیا گیا ہے، جس میں دار الافتاء، مجلس صحافت ونشریات، دفتر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' شعبہ کمپیوٹر، دار البحوث والنشر، وغیرہ ہوں گے، جس میں مختلف سائز کے کمرے اور ایک وسیع ہال ہے، اس کی تعمیر میں تقریباً ۲۰؍لاکھ روپئے کا خرچ آئے گا، اہل خیر حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ اس کی تعمیر میں حصہ لے کر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، اللہ تعالیٰ معاونین کو دونوں جہاں کی کامیابی وسرخروئی عطا فرمائے۔

ناظم تعمیر وترقی

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

چیک وڈرافٹ پر یہ لکھیں
Markazu Ihyail Fikril Islami Muzaffarabad.
Saharanpur(U.P)Pin.247129. Mob.09719831058
A/C No. 30416183580,S.B.I

Pictures\2012-09-05\Mail0001.JPG not found.

سیرت وخدمات

مناظر اسلام علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ

حیات وخدمات

مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میرے لئے بڑے فخر وسعادت اورعزت وسرفرازی کی بات ہے کہ عظیم مجاہد، عیسائیت کے نامور مناظر، علم کلام میں نمایاں، ممتاز اور جید عالم، علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ پر ایک مضمون تحریر کروں، یقیناً یہ اللہ کا محض فضل وکرم اوراس کی خالص توفیق ہے، ورنہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

ولادت اورنسب:

مناظر اسلام حضرت علامہ محمد رحمت اللہ بن خلیل اللہ (المعروف بہ خلیل الرحمٰن) عثمانی کیرانوی- جن کے بارے میں مؤلف نزہۃ الخواطر کے الفاظ ہیں ''کان من العلماء المبرزین فی الکلام والمناظرۃ'' وہ کلام اورمناظرہ میں نمایاں اورممتاز علماء میں سے تھے- کی ولادت باسعادت مغرب یوپی کے ضلع مظفرنگر کے ایک تاریخی اورمردم خیز قصبہ کیرانہ کے ''دربارکلاں'' محلّہ میں ماہ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ مطابق ۹/مارچ ۱۸۱۸ء میں ایک شریف خاندان اور دینی وعلمی حیثیت سے ممتاز اوردنیوی ناموری کے لحاظ سے بھی شہرت یافتہ جاگیردار خانودہ میں ہوئی، اس خاندان کے افراد اس علاقہ اورخطہ میں امراء، رؤساء، حکمراں، علماء اوراطباء کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔

آپ کا سلسلہ نسب ذکر کرتے ہوئے مؤرخ ہند، ابن خلکان زماں، مؤلف نزہۃ الخواطر علامہ سید عبدالحئی حسنی نے تحریر فرمایا ہے:

''الشیخ الفاضل العلامۃ رحمہ اللہ بن خلیل اللہ بن نجیب اللہ بن حبیب اللہ بن عبدالرحیم بن قطب الدین العثمانی الکیرانوی، من نسل الشیخ جلال الدین العثمانی الپانی پتی''۔ (الاعلام جلد ۸/صفحہ ۱۶۰)

آپ کا سلسلہ نسب امام عادل، خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین پر منتہی ہوتا ہے اس لئے ''عثمانی'' کہلائے۔

حضرت عثمان غنی کی اولاد میں ہندوستان آنے والوں میں پہلے شخص شیخ عبدالرحمٰن کازرونی ہیں جوعلامہ کیرانوی کے جداعلی ہیں، شیخ یہاں پراس اسلامی فوج کے قاضی شریعت تھے جس نے سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہندوستان فتح کیا، شیخ عبدالرحمٰن کازرونی نے شہر ''پانی پت'' میں طرح اقامت ڈالی دی اوریہیں انتقال بھی فرمایا، ان کی قبراب تک معروف ہے، علامہ کیرانوی انہیں مجاہد غازی کی نسل سے تھے، ڈاکٹر محمد احمد ملکاوی کی تحقیق کے مطابق علامہ کیرانوی کا نسب ۳۴/ویں جد پرحضرت عثمان ذی النورین تک پہنچتا ہے، اوران کے ۲۴/ویں جد عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز آل عثمان کے پہلے فرد ہیں جو ہندوستان آئے، سلطان محمود غزنوی نے انہیں فوج کا قاضی مقرر کیا تھا، اور ہندوستان فتح کرنے کے لئے لشکرکشی میں اپنے ہمراہ لایا تھا، پھر شیخ عبدالرحمٰن پانی پت میں متوطن ہوگئے، یہیں پر ہندوستان میں عثمانیوں کا خاندان پھیلا، جب علامہ کیرانوی کے ساتویں جد طبیب وحکیم عبدالکریم شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے علاج میں کامیاب ہوگئے تو اس نے انہیں کیرانہ کے علاقہ میں کاشت کی زمین دی، لہٰذا عثمانیوں کا خاندان پانی پت سے کیرانہ منتقل ہوگیا۔

تعلیم وتربیت:

علامہ کیرانوی نے حفظ قرآن کریم اور رائج ابتدائی کتب کی تحصیل اپنے شہر کیرانہ ہی میں اپنے والد اورخاندان کے ممتاز ومشہور اصحاب علم

وفضل سے کی، پھر اعلی تعلیم کے حصول کے لئے مرکز علم وفن، اور گہوارہ تہذیب وثقافت دہلی کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں ایک دینی مدرسہ سے وابستہ ہوکر امہات الکتب اور مراجع کی کتابوں کا حظ وافر حاصل کیا، نزہۃ الخواطر میں ہے: ''شیخ عبدالرحمن اعمی اور ان کے شیخ محمد حیات سے رائج علوم کی تحصیل کی اور ان دونوں کی صحبت میں طویل عرصہ تک رہے، حتی کہ ان علوم میں پختگی حاصل کرلی، پھر علم ومعرفت سے عشق ومحبت، شیفتگی ودلدارگی اور کثرت علم اور وسعت معلومات کا شوق وولولہ، تہذیب وثقافت کے شہر لکھنؤ کھینچ لایا، چنانچہ یہاں کے چند فاضل علماء سے کسب علم وفیض کیا، خصوصاً مفتی سعداللہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، فارسی زبان وادب کا درس امام بخش صہبائی سے لیا، حکیم محمد فیض سے علم طب کا فیض اٹھایا، ریاضی اور ہندسہ کے علوم مشہور ریاضی کتابوں کے مؤلف اور صاحب نظریہ ''لوکارثم'' سے اخذ کیا، اور تینوں زبانوں (عربی، فارسی اور اردو) میں مہارت پیدا کی، فراغت کے بعد اپنے وطن کیرانہ آکر علوم شرعیہ اور افتاء کی مجلسوں کے صدر نشین ہوئے، اور ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جس میں مختصر وقت تک تدریس کا فریضہ انجام دیا، جہاں سے کبار مؤلفین ومدرسین اور بانیان مدارس فارغ ہوئے، اس دور کے ان کے نامور تلامذہ میں علامہ شیخ عبدالوہاب ہیں۔

ہندوستان کی عمومی حالت:

علامہ رحمت اللہ کیرانوی کا عہد تاریخی لحاظ سے ہندوستان کا بڑا نازک اور مشکل ترین دور تھا، اسلامی مغل شہنشاہیت کا چراغ گل ہو چکا تھا، جس کی حکومت ہندوستان پر تقریباً چار سو سال تک رہی، اجنبی سامراج یعنی انگریز کا اثر ونفوذ اور مداخلت وتسلط شروع ہو چکا تھا، انگریزوں کے ناپاک سایے پڑ چکے تھے، سیاسی اور حکومتی پیمانہ پر لاقانونیت اور انارکی عام ہو چکی تھی، امن وسکون معدوم ہو رہا تھا، اہم بات یہ تھی کہ اس شہنشاہیت کا خاتمہ کرنے میں انگریزوں کا پورا ہاتھ تھا جو شہنشاہیت برائے نام رہ گئی تھی اور اس کی صرف شکل قائم تھی، انگریز مسلمانوں کے ساتھ جو چاہتے کرتے، غرض اسلام اور مسلمانوں کو بڑے کاری ضرب کا سامنا تھا، عیسائی مشنیریاں ہندوستان کے اطراف واکناف میں جماعتوں اور ٹکریوں کی شکل میں داخل ہو رہی تھیں، وہ سیل بلا خیز کی طرح پھیلتی جارہی تھیں اور اسلامی عقائد کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کررہی تھی، پادری حضرات عمومی جگہوں پر محفلیں سجانے، حلقے جمانے، بزم آرائی کرنے نیز مساجد ومدارس پر حملے کرنے میں سرگرم تھے، وہ مذہب اسلام کے خلاف تقریریں کررہے تھے، علماء کو نشانہ بنارہے تھے، اور مسلمانوں پر جبراً عیسائی مذہب تھوپ رہے تھے، اور ان کو عیسائی بننے پر مجبور کررہے تھے، چونکہ یہ سب برٹش گورنمنٹ کی سرپرستی اور پشت پناہی میں ہو رہا تھا، اس لئے اگر کوئی شخص عیسائی مشنری اور تحریک کا مقابلہ کرتا یا اس کے پیچھے پڑتا تو حکومت طرح طرح سے ستاتی اور سزا دیتی۔

ایسے پرآشوب اور نہ گفتہ بہ حالات میں علامہ رحمت اللہ کیرانوی ہی وہ فرد فرید تھے جنہوں نے اپنی زندگی داؤ پر رکھ کر انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور عیسائی مشنری اور تحریک کے روح رواں اور صدر فنڈر کو مناظرہ کی دعوت دی، اسلام کے دفاع کے لئے کمربستہ ہوگئے اور اللہ سے یہ نذر مان لی کہ عیسائیت کے مصادر ومراجع کو گہرائی وگیرائی کے ساتھ پڑھے اور مطالعہ کئے بغیر وہ کسی پل چین نہ لیں گے۔

علامہ موصوف کے عزم کو شہرہ آفاق پادری فنڈر کی انگلینڈ سے آمد نے پختہ اور تیز تر کردیا، جس نے بڑے جوش وخروش سے علماء ہند سے مناظرہ کیا اور انہیں کھل کر چیلنج کیا، ہندوستان کے اضلاع کے اندر محفلوں میں تقریریں کرنے اور عیسائیت کی دعوت دینے لگا، یہاں زبان کی دشواری سامنے آئی، علامہ انگریزی زبان نہ جانتے تھے، اور اس زبان کو سیکھنے کی طبعی عمر سے آگے بڑھ چکے تھے، اور فنڈر انگریزی کے علاوہ دوسری زبان نہ جانتا تھا، دونوں میں نقطہ اتصال کیسے پیدا ہو، اور سنگم کا کام کون کرے، انگریزی مآخذ کی نشاندہی اور عیسائیت کی تاریخی دستاویزات کی فراہمی میں اور رہنمائی میں کون ساتھ دے؟

ایسے موقع پر اللہ نے غیب سے مدد فرمائی اور ایک غیور مسلمان

ڈاکٹر محمد وزیر خان اکبرآبادی کو ظاہر کر دیا جنہوں نے ۱۸۳۲ء میں جدید طب پڑھنے کے لئے لندن کا سفر کر کے وہاں سے اونچی ڈگری حاصل کی تھی اور انگریزی زبان میں پختگی پیدا کر لی تھی، یونانی زبان بھی پڑھی تھی اور عیسائیت کا اس کے اصلی مصادر ومراجع سے مطالعہ کیا تھا اور یہ قیمتی کتب خانہ وہ اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے، وہ اس بڑے علمی جہاد میں علامہ کے دست راست اور قوت بازو تھے، جو وقت کا جہاد، زمانہ کی ضرورت اور پکار تھا۔

مناظرہ:

اوپر کی سطور میں یہ ذکر آچکا ہے کہ علامہ رحمت اللہ کیرانوی نے مناظرہ کی دعوت دی، بالآخر علامہ موصوف کا مشہور پادری فنڈر Funder اور اس کے ساتھی ولیم کلین William clean سے شہر آگرہ میں ۱۰ر اپریل ۱۸۵۴ء کو مندرجہ ذیل چار امور پر مناظرہ ہونا طے پایا۔

(۱) انجیل میں موجود تحریف اور نسخ کا اثبات اور قرآن کریم کا اس سے یکسر خالی ہونا۔

(۲) حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا رد۔

(۳) عقیدۂ تثلیث کا ابطال۔

(۴) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات۔

ایک بڑے کشادہ میدان عام میں اس مناظرہ کی دو نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں ایک طرف حاکم شہر، فوجی جرنل، ایوان حکومت کے بڑے مشیر اور ذمہ دار، علماء حضرات، جج صاحبان اور دوسری طرف عام پبلک جس میں شہر کے مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ سب تھے، جو شریک ہوئے، ڈاکٹر محمد وزیر خان علامہ رحمت اللہ کے معاون تھے اور ان کا ساتھ دے رہے تھے، تقریباً ایک ہزار کا مجمع تھا، اس کو بڑا مناظرہ کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس بڑے مناظرہ سے تین ماہ قبل ایک چھوٹا مناظرہ پادری کئی اور فرنچ کے ساتھ فرنچ کے گھر میں ہو چکا تھا، بڑے اور چھوٹے دونوں مناظرے ڈاکٹر محمد احمد ملکاوی کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۵ھ میں شائع ہو چکے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مناظرہ شروع ہوا، اور بالآخر پادری اور اس کی ہم نوا جماعت نے تمام حاضرین مجلس کے سامنے انجیل میں آٹھ مقامات پر تحریف کے وجود کا اعتراف کیا اور چالیس ہزار عبارتوں کے اختلاف کو تسلیم کیا، اور یہ بات اخباروں میں شائع ہوئی، اس شکست اور شرمندگی کی وجہ سے تیسری اور اس کے بعد کی نشستوں میں پادری حاضر ہی نہیں ہوا، اس کے بعد بعض متنازع فیہ مسائل پر دستی خط وکتابت ہوئی اور علامہ کی طرف سے ہونے والے استفسارات کا جواب دیتے دیتے پادری تنگ آ گیا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مناظرہ کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ فریقین میں سے جو بھی لاجواب ہو جائے گا اس پر دوسرے فریق کا مذہب قبول کرنا لازم ہوگا، اللہ نے لاج رکھی اور اپنے بندہ کو غلبہ عطا فرما کر اپنا وعدہ "انا جندنالهم المنصورون" اور "الا ان حزب الله هم المفلحون" پورا کیا۔

الغرض مناظرہ میں شکست فاش کے بعد وہ پادری روپوش ہو گیا، اس مناظرہ کے تمام نصوص "البحث الشريف فی اثبات الفسخ والتحريف" کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے۔

عیسائیوں کے ساتھ علامہ کا مناظرہ ایک ایسا شعلہ جوالہ تھا جس نے باطل کا نشیمن جلا کر خاکستر کر دیا، مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی اور ان میں دشمن سے نبرد آزمائی اور مقابلہ کی روح پھونک دی، چنانچہ جہاد کی جو جماعتیں ہندوستان کے عام گوشوں اور خاص طور سے دہلی اور اس کے اطراف واکناف میں تشکیل پائیں، ان کا علمی اور معنوی تعلق وربط علامہ رحمت اللہ سے تھا، اس لئے انگریزوں نے مسلمانوں کے لئے پھانسی کے پھندے تیار کئے، اور بلا کسی رورعایت کے ان کا قتل شروع کیا اور ایسے انسانی مقتل ومذبح بنائے جس سے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہے، انگریز نے علامہ رحمت اللہ کو سولی دیئے جانے اور ان کا سراغ بتانے یا حاضر کرنے والے کے لئے انعام کا اعلان کر دیا، ان کی تمام املاک ضبط کر کے چودہ سو بیس روپئے میں

نیلام کردیا، ان کی کتابوں کی فروخت اور ان کی طباعت واشاعت پر پابندی لگادی، ان کے گھر کا ایک طویل مدت تک انگریز فوج کی طرف سے محاصرہ رہا، ایسی صورت میں ان کے سامنے ہند سے ہجرت اور بیت اللہ کے دامن میں پناہ لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

ھجرت:

علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ دینی معرکہ میں غلبہ اور کامیابی اور انگریزوں کے خلاف مقابلہ میں حصہ لینے کے بعد ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک زمانہ تک روپوش رہے، جب انگریز فوجیں اس گاؤں میں داخل ہوئیں، بھیس بدل کر نکل کھڑے ہوئے، درانتی (ہنسیا) لیا اور کسی کھیت میں داخل ہوکر ایک معمولی اور گمنام کسان کی طرح کٹائی میں مشغول ہوگئے، اس طرح نجات پانے اور ہندوستان کی بندرگاہ ''سورت'' پہنچنے اور وہاں سے یمن کا راستہ ۱۲۷۴ھ میں دوسال تک صحرانوردی اور بیابان کی خاک چھانتے اور سمندروں کو عبور کرتے ہوئے سرزمین مقدس مکہ مکرمہ ہجرت کرجانے میں کامیاب ہوگئے، یہ واقعہ ۱۸۶۲ء یعنی غدر کے پانچ سال بعد کا ہے۔

محترم احمد سعید ملیح آبادی اپنے سفرنامہ حج ''اللہ کے گھر میں'' کے اندر لکھتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد متعدد علمائے ہند نے انگریزوں کی داروگیر سے بچنے کے لئے مکہ معظّمہ کی طرف سے ہجرت کی تھی، مولانا رحمت اللہ کے خلاف بھی بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا، اور وارنٹ گرفتاری جاری ہوا، آپ کو مفرور باغی قرار دے کر ایک ہزار روپے گرفتاری کے لئے انعام کا اعلان ہوا، مولانا اپنا نام بدل کر ''مصلح الدین'' کے نام پیدل دہلی روانہ ہوئے، جے پور اور رجودھپور کے ریگستانی علاقوں اور جنگلوں پیادہ پا طے کرتے ہوئے بندرگاہ سورت پہنچے، بندرگاہ سورت سے جہاز کا سفر آسان تھا، بادبانی جہاز چلایا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانہ میں سورت سے روانہ ہوتا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا، ...... جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترک وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات اور باہمی علائق کو زندگی ہی میں ختم کردیا کرتے تھے''

طویل سفر کے آلام ومصائب کو برداشت کرتا ہوا یہ سربکف مجاہد اسلام مرکز اسلام میں پہنچا۔

ہندوستان میں مجاہد علماء کی جماعت کے اکثر افراد نے مکہ معظّمہ کا رخ کیا تھا، مشہور عالم دین اور مجاہد آزادی حاجی امداداللہ صاحب کچھ دن پہلے ہی مکہ پہنچ چکے تھے، اور رباط داؤدیہ (باب العمرۃ سے متصل) کے ایک حجرہ میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب مولانا رحمت اللہ مکہ معظّمہ پہنچے، مطاف میں حاجی امداداللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔

مکہ معظمہ میں:

علامہ رحمت اللہ جس زمانہ میں مکہ مکرمہ پہنچے ہیں اس وقت شیخ احمد زینی دحلان شافعی علماء مکہ کے شیخ، اور مسجد حرام کے امام وخطیب تھے، مکہ کے حاکم شریف عبداللہ بن عون تھے، علامہ فجر کی نماز کے بعد مسجد حرام میں لگنے والے شیخ دحلان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے، شیخ چونکہ شافعی المذہب تھے، ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مسلک کی ترجیح کے ساتھ احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی، درس ختم ہونے کے بعد علامہ مرحوم نے شیخ دحلان سے پہلی مرتبہ ملاقات کی اور اس مسئلہ کے متعلق ایک طالب کی حیثیت سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال اور جواب اور علمی گفتگو کے بعد سید احمد دحلان کو اندازہ ہوگیا کہ سائل کوئی طالب علم نہیں بلکہ ایک جلیل القدر عالم ہے، لہٰذا شیخ نے علامہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے ان کی شخصیت کا انکشاف اور حقیقت حال دریافت کی، علامہ نے جب اپنے احوال وکوائف اور آپ بیتی سنائی تو شیخ سن کر بہت متأثر ہوئے حتیٰ کہ آبدیدہ ہوگئے، اپنے گھر پر مدعو کیا اور ان کی عزت وتکریم کی، ان کے واسطے ایک دسترخوان سجایا، جس پر مکہ اور حرم کے بڑے علماء کو مدعو کیا، علامہ رحمت اللہ علیہ نے اس مناسبت سے اپنے حالات اور فنڈر پادری کے ساتھ ہونے والے مناظرہ کی کیفیات شرح وبسط سے

بیان کئے، شیخ دحلان نے غایت درجہ توجہ وعنایت، انتہائی اکرام وعزت کا اظہار کیا، انہوں نے خود اور تمام علماء نے علامہ سے بڑی دیر تک معانقہ کیا اور انہیں مسجد حرام میں تدریس کی اجازت دی اور ان کا نام مسجد حرام کے علماء کے سرکاری رجسٹر میں درج کر دیا۔

قسطنطنیہ کا پہلا سفر:

علامہ کیرانوی خانہ خدا کے زیر سایہ مقیم رہے، حتی کہ خلیفہ سلطان عبدالعزیز خان کا ایک فوری خط امیر مکہ کے نام پہنچا، جس میں انہوں نے ان سے ہندوستانی حجاج سے ہندوستان میں پیش آنے والے خطرناک حادثات وواقعات کے بارے میں استفسار کا مطالبہ کیا تھا، خاص طور سے علامہ کیرانوی اور پادری فنڈر اور اس کی جماعت کے مابین جو مناظرہ ہوا تھا، اس کی وضاحت طلب کی تھی، اتفاق سے والی مکہ نے اس خط کا تذکرہ شیخ دحلان سے کیا، انہوں نے بتایا کہ وہ ہندوستانی مناظر عالم جن کے بارے میں خلیفہ نے استفسار کیا ہے، اس وقت مکہ میں موجود ہیں اور مسجد حرام میں درس دیتے ہیں، گورنر صاحب علامہ سے ملے، حقیقت حال سے واقف ہوئے، پھر سلطان کو جوابی خط لکھا، وہاں سے حکم آیا کہ علامہ کو خلیفہ کے مہمان خصوصی کے طور پر جلد ترکی روانہ کیا جائے، یہ واقعہ ۱۸۶۴ء کا ہے۔

پادری فندر اور عیسائی علماء کی علم اور مناظرہ کے میدان میں شکست واضح ہو جانے کے بعد دین عیسائیت کی تبلیغ وترویج اور نشر واشاعت کے لئے کنیسہ (چرچ) نے فنڈر کو ترکی بھیجا، قسطنطنیہ میں فنڈر نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمان علماء شکست خوردہ اور مغلوب ہو گئے ہیں، مسجدیں گرجا گھروں میں تبدیل ہو گئی ہیں، اور عیسائیت کو اسلام پر فتح اور غلبہ حاصل ہو گیا ہے، وغیرہ وغیرہ، ان پروپیگنڈوں سے دینی حلقوں میں سخت اضطراب اور بڑی بے چینی پیدا ہو گئی تھی اور سلطان عبدالعزیز بھی یہ خبریں سن کر پریشان ہو گئے تھے، اس لئے انہوں نے والی مکہ سے حقیقت حال جاننے کی کوشش کی تھی، لیکن دلچسپ بات یہ کہ جس وقت فنڈر پادری نے علامہ کیرانوی کے ترکی پہنچنے کی خبر سنی، اور ان کی آمد کی اطلاع ہوئی وہ بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا۔

ادھر دوسری طرف خلیفہ نے علامہ کا بے حد اعزاز واکرام کیا، اور ایک عظیم الشان تقریب کی جس میں دین وحکومت کے کبار افراد کو مدعو کیا اور علامہ سے بغاوت اور مناظرہ، عیسائیت کے خلاف مقابلہ آرائی اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں انگریزوں کے قتل عام وغیرہ کی تفصیل جاننی چاہی، تفصیل اور وضاحت سامنے آجانے کے بعد خلیفہ نے پادریوں اور عیسائی مبلغوں کی گرفتاری ان کی کتابوں کی ضبطی، ان کے مراکز بند کرنے اور علامہ کو اچھی جگہ ٹھہرانے کا حکم صادر کیا، عشاء کے بعد اکثر خلیفہ، علامہ موصوف سے وزیر اعظم خیر الدین پاشا تونسی اور شیخ الاسلام احمد اسعد مدنی اور حکومت کے بڑے افراد اور دینی عہدوں پر فائز حضرات کے ساتھ بڑی عزت کے ساتھ ملاقات کرتا۔

اسلام کی حمایت مسلمانوں کی نصرت اور اس راہ میں جہاد کی قدر دانی میں علامہ کو سلطان کی طرف سے شاہی خلعت فاخرہ اور دوسرے نمبر کے مجیدی طمغے سے سرفراز کیا گیا، ماہانہ پانچ سو مجیدی روپئے تنخواہ مقرر کی گئی اور والی مکہ کی مجلس کا رکن نامزد کیا گیا۔

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۸۰/روپیہ ہے۔

ماہ صفر اور اس کی حقیقت

صفر المظفر قمری مہینوں کے اعتبار سے دوسرا مہینہ ہے، اس مہینہ کے متعلق کچھ لوگوں میں غلط باتیں پائی جاتی ہیں جو عرب جہلاء سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں، دراصل ماہ صفر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ صفر کے معنی زیرو (یعنی کچھ نہیں) کے ہیں اور کچھ لوگ اس مہینہ میں تہی دست ہوکر تلاش رزق میں دوسرے علاقوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور ان کی بستیاں خالی ہوجاتی ہیں، گویا اس مہینہ کو منحوس سمجھتے ہیں، ایسے ہی عرب طرح طرح کے جن توہمات میں گرفتار تھے ان میں فال لینا، ستاروں سے اپنی قسمت آزمانا، بعض اشیاء کو مبارک اور بعض کو منحوس سمجھنا، اور ایسے ہی صفر کے مہینے کو وہ منحوس تصور کرتے تھے، مزید عرب جہلا نے ''صفر'' کے کئی معنی گھڑ لئے تھے اور کہتے تھے کہ صفر ایک قسم کی بیماری کا نام ہے، جس کو ''یرقان'' کہا جاتا ہے، جس میں آدمی کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے اور صفر کے معنی بھوک اور فاقہ کے بھی ہیں، صفر پیٹ کے کیڑے کو بھی کہتے ہیں، صفر ایک قسم کا سانپ بھی ہوتا ہے جو اس بیماری کے وقت انسان کو کاٹتا ہے اور جس کی وجہ سے یہ بیماری بڑی تیزی کے ساتھ دوسروں کو لگ جاتی تھی، ظاہر ہے صفر کے یہ تمام معنی اپنے اندر ایک نحوست لئے ہوئے ہیں، اس لئے عرب جہلا اس مہینے کو منحوس گردانتے تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ماں کی پیٹ میں تھے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ایک رات خواب دیکھتی ہیں کہ چاند کا ایک ٹکڑا آیا اور میرے اندر سموگیا، حضرت آمنہ اس خواب کو اپنی سہیلیوں کو بتلایا، تو ان کی سہیلیوں نے کہا کہ تمہارے اوپر شاید کسی بھوت یا جن کا سایہ ہے، لہٰذا تم ایسا کروا پنے ہاتھ میں لوہے کا ایک کڑا پہن لو، تاکہ اس کڑے کی جاذبیت کی وجہ سے بھوت پریت سے بچ سکو، حضرت آمنہ اپنی سہیلیوں کے کہنے کی وجہ سے ہاتھ میں لوہے کا ایک کڑا پہن لیا، تو اگلے دن خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے، اور کہا کہ اے آمنہ! تیری گود میں دنیا سے شرک وبدعت اور اوہام پرستی کو مٹانے والا آرہا ہے اور تو اوہام پرستی کو ختم کرنے کے لئے لوہے کا کڑا پہن رکھی ہے، اس کو نکال دے، تیرے اوپر کسی بھوت یا پریت کا سایہ نہیں ہے، بلکہ تیرے اوپر تو اللہ کی رحمت کا سایہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کڑے پر ایک نظر ڈالی وہ کڑا ٹوٹ گیا...... واللہ اعلم۔

مذہب اسلام نے سب سے پہلے شرک کو مٹانے کی تعلیم دی ہے بلکہ شرک کے اسباب کو بھی مٹا دینے کی تعلیم دی ہے، تاکہ یہ شرک اپنی جڑ سے ختم ہوجائے اور اس کا وجود باقی نہ رہے، ظاہر ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے، اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی سے نفع ونقصان کی امید کرنا بھی شرک ہے، قرآن کریم میں جتنا عقیدۂ توحید پر زور دیا گیا ہے، اتنا اسلام کے کسی دوسرے رکن پر نہیں دیا گیا ہے، اسلام نے نہ صرف اصنام پرستی، رسوم اور ہوائے نفس کی پرستش سے منع کیا ہے؛ بلکہ دور جاہلیت کی ہر طرح کی رسم اور اوہام پرستی کا بھی خاتمہ کیا، یہ جو باتیں آج کے جاہل لوگ کرتے ہیں ان کا مذہب اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلَا اِنَّ کُلَّ شَیئٍ مِّنْ اَمْرِالجَاھِلِیَۃِ تَحتَ قَدَمِیْ مَوضُوعٌ'' سن لو! زمانہ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے روندی گئی ہیں۔

اس کے باوجود ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو محبت رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کا دعوی کرتے ہیں اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روندے ہوئے رسومات وخیالات پر آج بھی عمل کرتے ہیں اور انہیں زندہ کرکے اپنے پاک معاشرہ کو داغدار بنا کر خوش ہوتے ہیں، جو یقیناً قابل افسوس بات ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ ان رسومات سے نفرت ودوری ہے، شریعت میں چھوت چھات نہیں ہے، تمام چیزیں (چاہے وہ خیر ہو یا شر) اللہ ہی طرف سے ہیں، جو لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں اور شادی بیاہ، دوکان ومکان کی افتتاح منعقد کرنے سے گریز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں شادی کرنا اچھا نہیں ہے، حالانکہ اسلام میں کوئی مہینہ ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر اس قسم کے عیوب ونقائص رکھتے ہوں، ہر مہینہ اللہ تعالی ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس لئے اس کو منحوس سمجھنا بہت بڑی نادانی ہے، اللہ کی بنائی ہوئی اور پیدا کی ہوئی چیزوں کو منحوس سمجھنا یقیناً دین سے دوری ہے، یہ سب باتیں زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھیں، عرب جہلا ماہ صفر سے بدفالی لیا کرتے تھے، ان کا گمان تھا کہ اس ماہ میں بکثرت مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں، اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے زوردار طریقے سے اس کو منع فرمایا اور کہا "لَاعَدْوَا وَلَاطِیَرَ وَلَاهَامَ وَلَاصَفَرَ" دین میں کوئی چھوت چھات نہیں، عدوا، طیرہ، ہامہ اور صفرا یہ سب زمانہ جاہلیت کے کام ہیں، جو عرب جہلا کو کرتے تھے، اب اسلام نے آکر ان تمام چیزوں کو ختم کر دیا، اور ان تمام چیزوں پر بینڈ لگا دی؛ کیونکہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، اگر خدانخواستہ کوئی شخص ان چیزوں کو سچ سمجھتا ہے اور اس پر اعتقاد رکھتا ہے تو وہ شرک کے دائرہ میں ہے، اس کے لئے توبہ واستغفار کرنی ضروری ہے، ان تمام چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالی کی طرف سے منظور نہ ہو، کیونکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالی ہی ذات ہے، ہم کتنا بھی کہیں کہ فلاں کی وجہ سے ایسا ہوا، یا فلاں کام کرنے سے ایسا ہوا، یہ سب محض اختراع انسانی ہے، ہر چیز کی نسبت خواہ وہ اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالی کی طرف سے ہے، ایک دفعہ رات میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پیٹ میں درد ہوا تو ان کی زبان سے یہ نکل گیا کہ "میں نے دودھ پیا تھا اسی لئے درد ہوا" بایزید بسطامی کو فوراً الہام ہوا کہ تونے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا اور فاعل حقیقی کو بھول گئے، تو فوراً آپ نے توبہ اور استغفار کیا۔

بعض لوگ صفر کی پہلی تاریخ سے تیرہ تاریخ تک کے دنوں کو بطور خاص منحوس اور نامبارک خیال کرتے ہیں، اس کا بھی شریعت سے کوئی تعلق نہیں، کچھ لوگ اس دن کے رسوم کو تیرہ تیزی کے نام سے جانتے ہیں، دراصل ماہ صفر کی تیرہ تاریخ بعض علاقوں میں جہلاء کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے، عموماً جاہل عورتیں ماہ صفر کی بارہ تاریخ کی رات کو اپنے سرہانے کچھ روپئے، یا چند عدد انڈے یا دال وغیرہ رکھ لیتی ہیں اور صفر کی تیرہ تاریخ کی صبح کو فقیروں میں صدقہ کر دیتی ہیں، تاکہ جو مصیبت آنے والی ہیں وہ ٹل جائے، لہٰذا جو حضرات ان سب باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ایسے لوگ دین سے دور ہیں، یہ لوگ ایک روحانی بیماری شرک میں مبتلا ہیں، کیونکہ ان کی نگاہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف جارہی ہے، گویا اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، سب مہینے مبارک ہیں کوئی مہینہ منحوس نہیں ہے، اسی مہینہ کے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اگر یہ مہینہ منحوس ہوتا تو حضور اپنی لخت جگر کا نکاح اس مہینہ میں کیوں کرتے؟ اسی طرح اس مہینہ میں غزوہ خیبر کا اختتام ہوا جو اسلام کی بہت بڑی فتح تھی، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اسلام کا جھنڈا دے کر رومیوں سے جہاد کے لئے جو لشکر روانہ کیا تھا وہ اسی مہینہ میں روانہ کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی سال کا ہر مہینہ اچھا ہے، اور ہر مہینہ اپنے اندر الگ الگ خوبیوں کو لئے ہوئے ہے، کسی مہینہ یا دن کو منحوس کہنا یا سمجھنا دین سے دوری ہے، اللہ تعالی سب کو اس طرح کی باتوں سے حفاظت فرمائے، اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تزکیہ واحسان

دوسری قسط

رہنمائے سلوک وطریقت

محمد مسعود عزیزی ندوی

سلوک وطریقت کے اصول:

تمام مشائخ تصوف اور اصحاب سلاسل، طریقت کے اصول ومقاصد کے بارے میں متفق ہیں، ان میں جو کچھ اختلاف ہے طریقہ کار کے بارے میں ہے، تمام مشائخ سلاسل کا حسب ذیل باتوں پر اتفاق ہے۔

(۱) سالک کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد درست کرے، ارکان اسلام کی پابندی کرکے کبائر گناہوں سے بچے، اسلامی شعائر کی تعظیم کرے۔

(۲) اگر کتب احادیث وآثار صحابہ کے استنباط واستخراج پر قادر نہ ہو تو ضروری ہے کہ چار مشہور مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، ناقص متأخرین کے اقوال کو قابل التفات نہ سمجھے، یہ سلوک وطریقت کا بنیادی اصول ہے، اسے مضبوطی سے پکڑے، اس کے بغیر سلوک صحیح نہیں ہوتا۔

عقائد کی درستگی:

سلف صالحین کے عقائد کے مطابق صحیح عقائد یہ ہیں:

اللہ تعالی کے بارے میں یقین رکھے کہ وہ یکتا اور واجب الوجود (اسکا وجود قدیم ہے وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں) اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

اللہ تعالی کمال کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، صفات کمال سے مراد حیات، علم، قدرت وغیرہ وہ تمام اوصاف ہیں، جن کے ساتھ اللہ جل شانہ نے اپنی پاک ذات کو متصف قرار دیا ہے، یا جو اوصاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے لیے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالی ہر عیب اور زوال سے پاک ہے، نہ جسم والا ہے، نہ کسی جگہ میں ہے، اس کا نہ کوئی رنگ ہے نہ کوئی شکل، وہ بے مثل ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اس بات پر یقین اور ایمان رکھے کہ تمام نبی اور رسول حق پر ہیں، اللہ کی چاروں کتابیں (توارت، زبور، انجیل، قرآن) حق ہیں، تمام انبیاء پر عموما اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصاً ایمان رکھے، چاروں آسمانی کتابوں پر عموماً اور قرآن پر خصوصاً ایمان رکھے۔

خلفائے راشدین کے فضل وکمال پر اسی ترتیب سے اعتقاد رکھے، جس ترتیب سے انہیں خلافت ملی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت کو مضبوطی سے پکڑے رہے، اس بات پر عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت، حشر ونشر، عذاب قبر، حساب، جنت ودوزخ، پلصراط، میزان عمل وغیرہ کے جو حالات بیان فرمائے ہیں بالکل سچ ہیں، عقیدہ کی درستگی کے بعد کبائر (بڑے گناہوں) کو جان کر ان سے بچنا ضروری ہے۔

اورادواشغال:

عقائد کی تصحیح اور مذکورہ بالا امور کی ادائیگی کے بعد سالک سے مطلوب ہے کہ اپنے اوقات ذکر وتلاوت، نماز ونوافل اور دوسری عبادتوں سے معمور رکھے، اخلاق حسنہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، ریا کاری، حسد، غیبت اور تمام بری خصلتوں سے اجتناب کرے۔

اس موقع پر ایک نکتہ ذہن نشیں کرلینا چاہئے، وہ یہ کہ طریقت وتصوف کے سلاسل میں سے ہر سلسلہ میں اوراد ونوافل سے وقت کو

مشغول رکھنے کا ایک خاص نظام الاوقات بتایا گیا ہے، یہ تمام نظام الاوقات اورطریقے پسندیدہ ہیں؛لیکن سب سے زیادہ محبوب اور بہتر طریقہ وہ ہے جو حدیث کی صحیح کتابوں کے مطابق ہو، میدان سلوک وطریقت کے نووارد کے لیے اس فن کی باریکیوں اوراسرار ورموز میں مشغول ہونا نفع بخش ہونے کے بجائے مضر ہو جاتا ہے، اس لیے اسے ان اوراد ووظائف پر اکتفا کرنا چاہئے، جو اہل سنت کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں،سب سے بہتر یہ ہے کہ ان اورادواذکار میں مشغول ہو جو عشق ومحبت الٰہی کو برانگیختہ کریں، اور دل کو خالق ومالک کی طرف کھینچیں، جذبہ محبت کی آبیاری اور تقویت کو اپنا مقصد قرار دے، قدرضرورت حب جاہ، حب مال مٹانے کی کوشش کرے، یعنی اس قدر کہ اورادواذکار دل جمعی کے ساتھ ادا ہوسکیں، یہ ضروری نہیں کہ مکمل طور سے ذرائع معاش ترک کردے، حتی کہ حقوق واجبہ کی ادائیگی بھی نہ کرسکے اوردوسروں کامحتاج ہوجائے۔

روز وشب کے معمولات وعبادات:

سالک کے لیے درج ذیل نمازوں کی پابندی ضروری ہے۔

۱- ستر ہ رکعت فرض نمازیں۔

۲- بارہ رکعت سنت مؤکدہ۔

۳- گیارہ رکعت تہجد ووتر۔

۴- دورکعت اشراق۔

۵- چاررکعت صلوۃ الضحی (چاشت کی نماز)۔

اس جگہ ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے کہ فرائض، سنن مؤکدہ کے علاوہ بقیہ نمازوں کی اتنی پابندی نہ کرے کہ ان کی وجہ سے اللہ یا بندوں کے حقوق فوت ہوجائیں، مذکورہ نوافل کی ادائیگی کے وقت اگرکوئی دوسرا اہم کام پیش آجائے،مثلاً نماز جنازہ یاکسی بندۂ خدا کی حاجت روائی، تونوافل کوچھوڑ کر اسی میں مشغولیت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں ریاکاری کا شائبہ نہیں،عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے،صبح وشام اور سونے کے وقت کے ان اذکار اوردعاؤں کی پابندی کرے، جوصحیح احادیث سے ثابت ہیں،نفی واثبات کاذکر ہزار بار بلند آواز سے،اس کے بعد آہستہ آہستہ کرے، اگراس قدرممکن نہ ہوتو جتنی بار کرسکے کرے، جتنا ممکن ہوسکے درود پڑھے، استغفار کرے؛لیکن پچیس بار سے کم نہ ہو،سحر کے وقت سوبار سبحان اللہ وبحمدہ کا اورسوبار لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ الخ کاوردکرے،اس میں بڑی برکت ہے۔

عرفہ (نویں ذی الحجہ) اورعاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھے، ہر مہینہ میں تین روزے رکھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے،شوال میں چھ روزے رکھے، ہرروز ایک مسکین کوکھانا کھلائے،اپنے زائد مال میں صدقہ فطراورصدقات واجبہ کےعلاوہ ایک جوڑا کپڑا صدقہ کرے۔

اگر حافظ قرآن ہوتوروزانہ اس قدر تلاوت کرے کہ سات روز میں قرآن ختم ہوجائے، ہاں اگر دوسرے اہم تر باطنی اورادواشغال میں مشغول ہوتو جتنی تلاوت سہولت سے کرسکے کرے،غیرحافظ کم ازکم روزانہ سودرمیانی آیات کے بقدرتلاوت کرے،جس کی تعداد پاؤپارہ نصف پارہ کے درمیان ہوتی ہے،روزانہ دوتین ورق حدیث کا مطالعہ کرے،ایک دورکوع قرآن کاترجمہ سنے،یاخوددیکھے۔

سالک اگرقوی المزاج ہوتواتنی مقدارکھانا کھائے جس سےکم کھانا ضعف کاباعث بن جاتاہے، اورضعیف المزاج ہوتو اتنا کھائے کہ زیادہ آسودگی یا بھوک کی وجہ سے اکثر اوقات اس کا دل ودماغ پیٹ میں مشغول نہ رہے، دن رات کاایک تہائی حصہ سونے میں صرف کرے، دوحصے بیداری میں،مثلاً دن میں ایک گھنٹہ استراحت کرے، چوتھائی رات تک بیداررہے،سحر سے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہوجائے،اس کے بعدتھوڑی دیراستراحت کرے،صبح کے دھندلکے(غلس) میں پھر بیدار ہوجائے،سونے، جاگنے کے اس نظام میں تھوڑی بہت تبدیلی کرسکتاہے۔

سالک سےعزلت (یکسوئی)اس قدرت مطلوب ہے کہ کسی دینی یادنیوی ضرورت کے بغیر لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا کم کردے، دینی ضرورت یا عبادت کے لیے لوگوں میں نشست وبرخاست اس سے

مستثنیٰ ہے، مثلاً مریض کی عیادت، مصائب پر دلاسا اور تعزیت، صلہ رحمی، علمی مجالس میں حاضری، طبیعت کی سختی اور پراگندگی دور کرنے کے لیے لوگوں میں بیٹھنا۔

لباس اور کمائی میں اپنے ہم جنس لوگوں سے ممتاز رہنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اپنے ہم جنس اور ہم پیشہ افراد کے طریقہ پر زندگی گزارے، اگر سالک کا تعلق طبقہ علماء سے ہے تو علماء کے طور وطریق پر رہے، اگر صنعت کاروں میں سے ہے تو اہل صنعت کا لباس پہنے، اگر سپاہی ہے تو سپاہیوں کی طرح رہے۔

تنبیہ: یہ معمولات سالک کی آسانی کے لیے لکھ دئے گئے ہیں، ورنہ تو شیخ کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سالک کو چلنا ضروری ہے۔

نفی واثبات کا ذکر:

مذکورہ بالا امور کی پابندی اور ان پر مداومت نصیب ہونے کے بعد سالک کو چاہئے کہ اب پہلے کی طرح محض وظیفہ اور ڈیوٹی کے طور پر ذکر نہ کرے، بلکہ اہل عشق ومحبت کی طرح ذکر کرے، ذکر سے سب سے زیادہ اس شخص کو فائدہ ہوتا ہے، جو شخص صحیح المزاج اور قوی العشق ہو، جو شخص صاحب اہل وعیال اور پراگندہ مزاج ہے، یا اس پر صفت عشق غالب نہیں ہے، اسے ذکر سے کوئی بڑا فائدہ نہیں ہوتا، حاصل کلام یہ کہ جمہور اہل طریقت کے نزدیک سب سے افضل نفی واثبات اور اسم ذات کا ذکر ہے، اس ذکر کے کچھ شرائط وآداب مقرر ہیں، ان شرائط وآداب کو مقرر کرنے کا راز یہ ہے کہ ان کی رعایت کرنے سے دل جمعی حاصل ہوتی ہے، وساوس کا ازالہ ہوتا ہے، محبت کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔

ذکر نفی واثبات کے لیے اس درجہ کی فرصت وفراغت چاہئے کہ اس وقت نہ بھوکا ہو، نہ بہت زیادہ شکم سیر، نہ غضبناک ہو، نہ متفکر اور مغموم، خلاصہ یہ کہ تمام نفسانی اور خارجی عوارض ومشغولیات سے فارغ ہو، خلوت میں جا کر مکمل طہارت حاصل کرے، یعنی غسل یا وضو کر کے پاک وصاف کپڑے پہن لے، دل میں کسی طرح گرمی پیدا کرے، خواہ موت کو یاد کر کے یا محبت انگیز حکایات کا مطالعہ کر کے یا واعظ کا وعظ سن کر یا مؤثر ورقت انگیز اشعار کے ذریعہ یا کسی اور جائز طریقے سے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر قبلہ رو نمازی کی طرح بیٹھ جائے، اور زبان سے لا الہ الا اللہ کا ورد کرے، لا کو نیچے سے شروع کرے، الہ دماغ میں کہے اور پوری قوت سے دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے، تشدید اور مد کو خاص طور سے ملحوظ رکھے۔

نفی کرتے وقت غیر اللہ کی محبت بلکہ غیر اللہ کے وجود کو پیش نظر رکھے، ذکر نفی واثبات کے وقت سالک کو اس شخص کی ہیئت میں ہونا چاہئے، جو حالت وجد میں ہونے کی وجہ سے اپنا سر کپڑے سے چھپا نہیں سکتا، اگر بے تکلف اس پر یہ حال طاری نہ ہو پا رہا ہو، تو بہ تکلف اس حال کو طاری کرے، جس قدر وجد طاری ہوتا جائے، اسی قدر آواز بلند کرتا جائے، وجد کی گرمی بڑھنے کے ساتھ آواز تیز ہوتی جائے گی اور ضرب میں شدت اور تسلسل پیدا ہوتا جائے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جو کامل المزاج اور جوہر محبت کا حامل ہوگا، اگر وہ مذکورہ بالا طریقہ پر دو ایک گھنٹہ ذکر کرے گا تو اسے اطمینان قلب نصیب ہوگا، وساوس کا ازالہ ہو جائے گا اور اسے شوق ومحبت کی گرمی حاصل ہو جائے گی، اس کے بعد ایک گھنٹہ اس کی نگہداشت میں صرف کرے، اس کیفیت کو عمدہ اور قابل قدر سمجھے اور حتی الامکان اس کی نگہداشت کی سعی کرے، اگر یہ کیفیت ختم ہو جائے، یا کمزور پڑ جائے تو اسے بڑھانے کی کوشش کرے، صحیح الفہم، کامل المزاج شخص ایک ہی مجلس میں اس کیفیت کو سمجھ سکتا ہے، اگر سالک سخت طبیعت، قوی الجسم ہے تو تین روز کھانے میں کمی کر دے، اور چند روز نفی واثبات کا ذکر کرے، یقیناً اسے یہ کیفیت حاصل ہو جائے گی اور اسے سمجھ جائے گا، اگر محنت کرنے کے باوجود وہ شخص اس کیفیت سے آشنا نہ ہو سکا تو اسے اس سلسلہ میں معذور سمجھنا چاہئے اور دوسرے اوراد وظائف میں مشغول رہنا چاہئے، اس کے لیے ظاہری اور اوپری عمل کرنا کافی ہے۔

محاسبہ:

محاسبہ یہ ہے کہ صبح اٹھنے کے وقت سے رات کو سونے کے وقت تک

کے اپنے اعمال کو سوچے، عبادات وطاعات پر اللہ کا شکر ادا کرے، مزید توفیق طلب کرے، اور اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر شرمندہ ہو اور بچنے کی تدبیر کرے۔

مراقبہ اور اس کا مفہوم:

مراقبے کا لغوی مفہوم انتظار ہے، مگر اصطلاح تصوف میں اس سے مراد جناب باری تعالیٰ عزاسمہ سے انتظار فیض ہے، مراقبہ دراصل نص قرآنی "وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (اور کیا تم اپنی جانوں کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے) کی عمل ہیئت ہے، وہ آیات الٰہیہ جو نفس انسانی میں مستور ہیں، ان کے مختلف انوار ولطائف میں مراقبہ ہی امتیاز کرتا ہے۔

آیت مذکورہ پر مزید غور کیا جائے تو یہ امر بہ آسانی مفہوم ہوتا ہے کہ ان آیات سے آگاہی وشہود کا حکم دیا گیا ہے، سالک مراقبے کی بہ دولت تمام روحانی مقامات طے کرتا ہے اور اس کے باطن پر انوار واسرار ربانیہ پیہم نازل ہوتے چلے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک عارف کامل درجات عالیہ پر فائز ہونے کے بعد جو کچھ دیکھتا ہے، اپنے اندر ہی دیکھتا ہے، قلب سے لایقین تک ساری ولایت جو سیر قدمی وسیر نظری پر مشتمل ہے، اسی سے حصول پذیر ہے، اس سے دوام حضور میسر آتا ہے، اور سالک کے رگ وپے میں سوز وگداز پیدا ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "ہمارا سلوک خانہ توحید کو نقب لگانے کے مترادف ہے، خلوت ویکسوئی مراقبے کے لوازم میں سے ہے" خلوت سے کیا مراد ہے؟

ملا علی قاری نے شرح عین العلم میں اسے یوں بیان کیا ہے:

"ثُمَّ الْقَوْمُ مُخْتَلِفُوْنَ فِیْ سُلُوْکِ طَرِیْقِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَ مَدَارَ الْخَلْوَةِ عَلٰی خُلُوِّ الْقَلْبِ عَنْ غَیْرِ ذِکْرِ الرَّبِّ وَمُشَاهَدَةِ الْخَلْقِ وَلَوْ کَانَ فِیْ مَجْمَعِ الْخَلْقِ" پھر لوگوں کا اپنے اپنے سلوک طریق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک خلوت کا دار ومدار اس پر ہے کہ دل خلق کے مشاہدے سے فارغ ہو جائے اور اس میں ذکر الٰہی کے سوا کوئی چیز جاگزیں نہ رہے، اگرچہ مراقبہ کرنے والے کی نشست وبرخاست مخلوق کے ساتھ ہو۔

آگے چل کر مصنف موصوفؒ نے اس کی مزید وضاحت کی ہے، اور فرمایا کہ "سر کا لپیٹنا اور آنکھوں کا بند کرنا" اس وجہ سے ہے کہ سالک اطمینان قلب سے ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکے، اسے خلوت صغیرہ بھی کہتے ہیں، مراقبہ شروع کرتے وقت مبدأ فیض اور مورد فیض کا لحاظ بے حد ضروری ہے۔

مراقبے کی کتنی ہی قسمیں ہیں، یہاں مراقبہ احدیت کی نیت نقل کی جاتی ہے، اس طرح سے نیت کرے کہ مجھے ایسی ذات کی طرف سے فیض پہنچ رہا ہے، جو کمال کی تمام صفات کی جامع اور ہر نقص وزوال سے پاک تر ہے، جو میرے دل پر لطیفہ فیض کا ورود کرنے والی ہے۔

مراقبہ موت:

نزع کی حالت اور قبر میں سوال وجواب، میدان حشر، حساب وکتاب، حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پلصراط سے گزرنا، ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا، پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا، استغفار یہ ہے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ"۔

مجاھدہ کی حقیقت:

مجاہدہ کی حقیقت خواہشات نفس کی مخالفت کی مشق وعادت ہے، کہ حق تعالیٰ کی رضا وطاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی ومالی وجاہی خواہشات ومرغوبات کو مغلوب رکھا جائے۔

مجاھدہ کے اقسام:

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک "مجاہدہ جسمانی" کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے، مثلاً نوافل کی کثرت سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو کم کرنا، اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے، اس وقت اس کے

تقاضے کی مخالفت کرنا، اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے، اور پہلا مجاہدہ اسی کی تحصیل کے لیے کیا جاتا ہے، کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا، تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی، لیکن اگر بدون مجاہدہ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت ہوجائے، تو اس کو مجاہدۂ جسمانیہ کی ضرورت نہیں، مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں، اسی واسطے صوفیا نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے، اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں:

(۱) قلت طعام۔

(۲) قلت کلام۔

(۳) قلت منام۔

(۴) قلت اختلاط مع الانام۔

خلاصہ یہ ہے کہ ریاضت ومجاہدہ کے دو رکن ہیں، اول مجاہدہ اجمالی یا جسمانی، دوسرا مجاہدہ تفصیلی یا نفسیانی۔

مجاہدہ اجمالی کے چار اصول جو بیان کئے گئے، وہ یہ ہیں:

(۱) قلت کلام۔

(۲) قلت طعام۔

(۳) قلت منام۔

(۴) قلت اختلاط مع الانام۔

ان سب امور میں اعتدال یعنی درمیانی راہ حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت وقساوت اور کاہلی پیدا ہو، نہ اس قدر قلت کرے کہ جس سے صحت وقوت زائل ہوجائے۔

دوسرے رکن مجاہدۂ تفصیلی کی دو قسمیں ہیں، اول اخلاق حمیدہ، دوسری اخلاق رذیلہ، ان دونوں قسموں کی تفصیل آئندہ شمارہ میں بیان کی جائے گی۔

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱-مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)۱۰؍روپئے

۲-بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)۱۰؍روپئے

۳-جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)۳؍روپئے

۴-ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)۲۰؍روپئے

۵-رہنمائے سلوک وطریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ)۱۵؍روپئے

۶-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی)۵؍روپئے

۷-الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی)۳۰؍روپئے

۸-التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں وغیرہ، عربی)۲۰؍روپئے

۹-حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات)۲۰۰؍روپئے

۱۰-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات)۵۰؍روپئے

۱۱-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے)۵۰؍روپئے

۱۲-تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی)۱۰؍روپئے

۱۳-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی)۸؍روپئے

۱۴-تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات)۸؍روپئے

۱۵-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (انیس بزرگوں کے حالات)۱۵۰؍روپئے

۱۶-مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷؍مضامین کا مجموعہ)۳۰؍روپئے

۱۷-مکتوبات اکابر (۲۰؍بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ)۳۰؍روپئے

۱۸-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰؍روپئے

۱۹-افکار دل (۳۰؍تقریروں کا مجموعہ)۱۰۰؍روپئے

۲۰-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ۲۰۰؍روپئے

۲۱-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰؍روپئے

۲۲-سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰؍روپئے

۲۳-میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)۱۵؍روپئے

۲۴-قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف بغاوت ۱۰؍روپئے

۲۵-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت ۱۵؍روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

یادرفتگاں

استاذ الاساتذہ، شیخ القراء حضرت الحاج قاری شبیر احمد صاحب آغوش رحمت میں

الحاج حافظ منشی عبدالغفور صاحب ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، سہارنپور

جانے والے تیری الفت، تیری عظمت کو سلام
ذہن میں تازہ رہے گی، تیری نیکی، تیرا پیار

استاذ الاساتذہ حضرت الحاج قاری شبیر احمد صاحب مرحوم ومغفور کا وطن موضع شہزاد پور (ڈھال والا) ضلع سہارنپور یوپی ہے، آپ اپنے باوقار علمی خانوادہ کے ایک نہایت معزز ومنفرد فرد تھے، مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کے شعبۂ تحفیظ میں آپ کا تقرر مورخہ ۱۳؍جمادی الآخرہ ۱۳۷۱ھ کو بحیثیت صدر المدرسین ہوا، جو ۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ تک برقرار رہا، اتنے طویل عرصہ میں قرآن کریم کی خدمت بہت اچھے انداز میں دی، جس میں پشت در پشت تین نسلوں کے سینکڑوں سے متجاوز شاگردوں کو قرآن کریم کی عظیم الشان دولت سے مالا مال کیا، ہزاروں ہزار حفاظ وقراء، ممتاز علماء، صلحا، مفتیان وخطباء، بانیان مدارس ونظمائے مدارس اور صاحب نسبت حضرات آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں، اراکین ''انوار القرآن'' نے ہمیشہ آپ کا وقار ملحوظ رکھا، تلاوت قرآن سے والہانہ تعلق تھا، تمام دانت نوعمری میں ہی اکھڑ گئے تھے، لیکن حروف اپنے مخارج سے نکلتے تھے، سامعین کو ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہ ہوتا تھا، اس کو آپ کا طرۂ امتیاز کہا جائے یا کرامت؟ زمرۂ قراء میں آپ ممتاز ومنفرد حیثیت کے مالک تھے، عوام وخواص میں بڑے قاری صاحب کے نام سے معروف ومشہور تھے، قاری صاحب میں استقامت کی صفت ایسی بے مثال تھی جو دیکھنے اور سننے کو کم ملتی ہے، ایک جگہ ۶۲؍سال کا طویل زمانہ اس طور پر گزار دینا کہ وہاں کے اساتذہ، طلبہ، ملازمین مدرسہ اور انتظامیہ کے لوگ مسرور ومطمئن رہے ہوں، آسان نہیں، یا یوں کہا جائے کہ ہر کے بس کی بات نہیں، عمر بھر اہل اللہ اور بزرگان دین سے عقیدت مندانہ ربط رہا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بیعت تھے، آپ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ سے رجوع کیا، آپ خود بھی بزرگانہ صفات کے حامل تھے، تعلق مع اللہ، انابت الی اللہ، زہد وورع، نیز پاکدامنی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، دکھ ہو یا سکھ، خوشی ہو یا غمی، سردی ہو یا گرمی، خلوت ہو یا جلوت اپنے اوراد ووظائف، ذکر واذکار، نوافل وتلاوت جیسے معمولات آداب کی پوری رعایت کے ساتھ بروقت ادا کرنے کے نہایت پابند تھے، معمولات کے مقررہ اوقات میں تساہل وتغافل ہرگز نہ ہوتا، نماز با جماعت اور تکبیر تحریمہ کا اہتمام مثالی تھا، اشراق وچاشت، اوابین وتہجد، نماز جمعہ بڑے اہتمام سے پڑھتے تھے، گویا طاعت وعبادت آپ کی فطرت ثانیہ تھی، آپ کا رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور اوڑھنا بچھونا نہایت سادہ تھا، اسلامی وضع قطع کے پابند تھے، مرنجان مرنج طبیعت کے حامل تھے، مزاجاً قدرے عزلت نشیں اور خلوت پسند تھے، اپنا کام خود کر لینے کے عادی تھے، کمرے میں چیزوں کو قرینے اور سلیقے سے رکھنے میں بڑے مستعد تھے، امور زندگی میں توازن واعتدال کا ہمیشہ التزام رکھا، حق گوئی میں بیباک، صاف گوئی میں شفاف، جو دل میں ہوتا وہی زبان پر آتا، آپ کا ظاہر وباطن یکساں تھا، آپ کے اندر شرافت بھی بہت زیادہ تھی، میرے علم میں آپ کی معاشی حالت کچھ بہتر نہ تھی، مگر سخاوت اور امانت ودیانت کے سچے علمبردار تھے، فطرت میں قناعت کا اثر کچھ زیادہ ہی غالب تھا، اپنی کامیاب وکامران زندگی خود اعتمادی اور شان بے نیازی سے گزاری اور

نوے سال سے زائد عمر پائی، سات سال کی طویل علالت کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ؎

کل تو کہتے تھے کہ بستر سے اٹھا جاتا نہیں

آج دنیا سے چلے جانے کی طاقت آ گئی

آپ کی بارعب شخصیت گوناگوں صفات عالیہ کی پیکرِ جمیل تھی، الحاصل آپ فکر وعمل کے غازی تھے، نہ کہ رفتار وگفتار کے، چونکہ آپ کی عمر عزیز کا دوتہائی حصہ ''انوارالقرآن'' کی چہار دیواری اور خدمت گزاری میں بیتا، اس لئے اس کے درو بام سے ہی نہیں؛ بلکہ ذرہ ذرہ سے اٹوٹ مؤدت والفت تادم آخر رہی، تعلیمی فرائض کے علاوہ دیگر امور مدرسہ سے بھی پختہ لگاؤ اور جذباتی وابستگی رہی، اور مدرسہ کے کام بہت دلچسپی سے کئے، فراہمی مال کا بھی ہمیشہ فکر رکھتے اور دلچسپی سے کرتے۔

جامعہ ''انوارالقرآن'' کی فلاح وصلاح آپ کے ضمیر وخمیر میں خوب رچی اور بسی ہوئی تھی، تمام طلبہ اساتذہ ذمہ، داران مدرسہ، نیز عوام الناس میں آپ کی مقبولیت وقدر وقیمت لائق رشک اور دیدنی تھی، یگانے اور بیگانے اپنے اور پرائے سب ہی عزت واحترام سے پیش آتے، ملاقات وزیارت کرنے کو اپنے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی جانتے تھے۔

حضرت قاری صاحب سے میرا محبانہ رشتہ اور پرخلوص رفاقت ساٹھ برسوں پر محیط رہی ہے، آپ مجھ پر بھرپور اعتماد واعتبار اور بکمال شفقت رکھتے تھے، آپ کی دعائیں اور سرپرستی مجھے ہمیشہ حاصل رہیں، اس پر مجھے ہمیشہ فخر وناز رہا، آپ کی وفات حسرت آیات میرے لئے جاں گسل سانحہ تو ہے ہی؛ لیکن کسی خاندانی بزرگ کی موت کے عظیم حادثہ سے کم نہیں، آپ نے ہمیشہ مجھے اچھی راہ دکھائی، بھلائی کی باتیں بتائیں، آپ کے ساتھ رہ کر میری ہر صبح سہانی اور شام نہایت خوشگوار گزری، اب آپ کے بغیر سب کچھ ویران سا لگ رہا ہے، واللہ! آپ کی اس دائمی جدائی سے بے حد بے چین ومضطرب ہوں، خداوند قدوس صبر وتحمل پر استقامت بخشے اور ''انوارالقرآن'' کو آپ کا نعم البدل عطا کرے: ؎

اللہ اب تو عمر کے دن گن رہا ہوں میں

تھی جس میں زندگی وہ زمانہ گزر گیا (ابن حسن)

۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳؍نومبر ۲۰۱۲ء بروز منگل بوقت سحر ساڑھے چار بجے آغوش رحمت میں چلے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں جنازہ مقامی قبرستان لے جایا گیا، پرنم آنکھوں سے جسد خاکی کو سپرد لحد کر دیا گیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے حضرت فرما رہے ہوں: ؎

حیات جس کی امانت تھی اس کو سونپ دی

میں آج چین سے سوتا ہوں پاؤں پھیلا کر

آپ کی موت کا صدمہ جملہ متعلقین ومحبین دیر تک نہیں بھلا پائیں گے، یہ بڑا دلخراش اور روح فرسا منظر تھا کہ سبھی لوگ نمناک آنکھوں سے غم واندوہ کے ماحول میں ڈوبے ہوئے تھے، نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد طاہر صاحب مظاہری کی اقتداء میں ہوئی، نماز میں نمازیوں کا ایک جم غفیر تھا، جس سے بہت دور دور سے آئے ہوئے اہل علم وعلماء وصلحاء تلامذہ صاحبان نسبت مشائخ حضرات کی بڑی تعداد تھی، اس بستی میں ہی نہیں بلکہ علاقے میں اس سے پیشتر شاید ہی کسی کے جنازہ میں اتنے کثیر نمازی شریک ہوئے ہوں، یہ خود ان کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔

مدرسہ ''انوارالقرآن'' کے تمام طلبہ، اساتذہ ملازمین وکارکنان مدرسہ اور یہ ناکارہ اخیر تک تکفین وتدفین میں شریک رہا، حضرت کے پسماندگان میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بہت ہیں، تقریباً سبھی صاحب علم وفضل ہیں، ہم خادمان مدرسہ دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی حضرت قاری صاحب کا قبر میں، برزخ میں، محشر میں، ناصر وحامی رہے اور پسماندگان کے غمزدہ دلوں پر صبر جمیل کا القاء فرمائے۔ آمین

آخرت میں ہو بہر عنواں اُنہیں آسودگی

سایۂ فضل خدا ہو اُن کے سر پر ہر گھڑی

جائزہ

افسوس کہ ارتداد ہے اور کوئی ابوبکر نہیں

مولانا محمد فرقان ندوی دارالعلوم ہاتھرس، ترفراہاتھرس

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

مذکورہ شعر میں اسلام کی پوری تاریخ اپنے نشیب وفراز اور مختلف ادوار کے ساتھ سمٹ آئی ہے، حق اور باطل کا معرکہ بہت پرانا ہے، کلام حق کی شہادت ہے کہ حق کو غالب رہنا ہے، چنانچہ تاریخ اسلام میں ہم کو سنہرے ابواب بھی ملتے ہیں اور دردانگیز واقعات بھی نظر آتے ہیں، کبھی ملت سلامیہ بے مثال کامیابیوں سے ہم کنار ہوتی ہے اور کبھی اسے نت نئے فتنوں اور اپنی خامیوں کے ساتھ اغیار کی دسیسہ کاریوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

تاریخ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک اسلام باقی ہے تب تک مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، نئے نئے روپ اوڑھ کر فتنے جنم لیتے ہیں گے، مخالفین ومعاندین سازشوں کے تانے بانے بنتے رہیں گے، قابل غور یہ ہے کہ ہم ان مسائل کو کیسے حل کریں؟ ان فتنوں کا کیسے مقابلہ کریں؟ اسلام کے قلعہ میں دراڑ ڈالنے والوں کو کیسے روکیں؟ مسائل نہ اٹھیں یہ ممکن نہیں، اس لئے کہ قرون اولی اور اس میں بھی خلافت راشدہ اور اس پر مستزاد خلیفہ اول صدیق اکبر کا زریں دور وہاں بھی فتنہ پیدا ہو گیا، مدعی نبوت کا ظہور ہوا، منکرین زکوۃ بھی سامنے آئے اور ارتداد کا سلسلہ بھی شروع ہوا؛ لیکن حضرت ابوبکر نے پوری ایمانی بصیرت کے ساتھ ان فتنوں کا سد باب کیا، بس اسی کی روشنی میں ہمیں خدمت اسلام کی راہ میں اپنا سفر طے کرنا ہے اور مسائل کے حل کے لئے اپنے اندر وہ لگن، وہ تڑپ اور وہ جوش وجذبہ پیدا کرتے ہوئے لائحہ عمل تیار کرنا ہے، جس نے صدیق اکبر کی زبان مبارک سے ایسا جملہ نکلوایا تھا جو خدام دین کے لئے لائحہ عمل، دعوت فکر اور دلیل مستقبل ہے، آپ نے فرمایا تھا "أَيَنْقُصُ فِي الدِّيْنِ وَاَنَا حَيٌّ" یہ ممکن نہیں کہ میرے رہتے ہوئے دین میں کمی آئے اور پھر آپ نے اس جملے کی روشنی میں فتنوں کے سد باب کے لئے وہ کامیاب نمونہ پیش کیا جس پہ تاریخ ناز کرتی ہے۔

آج جب کہ وہ تمام فتنے کمیت وکیفیت بہر اعتبار پہلے سے زیادہ رونما ہو رہے ہیں، ہماری قوم میں پسماندگی بڑھ رہی ہے، ناخوندگی عام ہو رہی ہے، بے روزگاری ایمان کو شکار کر رہی ہے، اور سب سے اہم یہ کہ ہمارا ایمان خطرے میں ہے، عقیدے پر بن آئی ہے، نئی نسل کا ایمان وعقیدہ تو بالکل محفوظ نہیں لگتا، ایسے دور میں ضرورت ہے کہ ہم جذبہ وبصیرت صدیقی، غیرت فاروقی، سخاوت عثمانی اور قوت حیدری کے ساتھ صحیح ومعتدل فکر کو عام کرنے، فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے اور آئندہ نسل کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لئے لائحہ عمل تیار کریں، جس سے آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت ہو سکے، ذیل میں ہم ضلع ہاتھرس - جو کہ ہمارے علم کے مطابق ارتداد وبے دینی کے ساتھ پسماندگی وناخواندگی کا سب سے زیادہ شکار ہے- کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ضلع ہاتھرس:

یوں تو جہالت وناخواندگی بہت عام ہے اور اتداد بھی بہت زیادہ ہے، جس کے لئے مخالفین اسلام کی جانب سے بڑے پیمانے پر کوششیں ہوتی ہیں؛ لیکن ہمارے سامنے اس وقت بالخصوص جو علاقہ ہے وہ دیگر

علاقوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ارتداد اور بے دینی کا شکار ہے، جہاں علم وآگہی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اب تک پورے ضلع میں ایک بھی مقامی عالم نہیں ہے، جہالت اور بے دینی کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے، کہ یہاں ہندو اور مسلم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس طور پر کہ ان کی زبان، ان کی تہذیب اور معاشرت میں کوئی امتیازی فرق نہیں ہے، سب کا حال یکساں ہے، نام ایک سے، شکلیں ایک سی، اٹھنا بیٹھنا ایک سا، مقام افسوس یہ ہے کہ اس علاقہ کے اکثر بوڑھوں کو بھی کلمہ طیبہ یاد نہیں ہے جب کہ وہ یہ کہتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں، ہاتھرس کا پورا علاقہ علم ومعرفت کے نور سے محروم ہے، نہ یہاں مکاتب کا انتظام ہے اور نہ مدارس کا، شہر دیہات سب کا حال یکساں ہے اور یہاں جو مسلمان ہیں وہ معاشی اعتبار سے اس قدر گئے گزرے ہیں کہ ان سے اس بات کی امید نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ کوئی مکتب قائم کرسکیں جہاں بچوں کی دینی تعلیم کا نظم ہوسکے، اس لئے یہ علاقہ خاص طور پر اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ یہاں پر مکاتب کا انتظام ہوتا کہ مسلمان بچے جو ہمارا مستقبل ہیں صحیح تعلیم حاصل کر کے اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت کرسکیں۔

یہی طفلانِ مکتب جن سے وابستہ ہے مستقبل
انہیں ذروں کو چمکا کر شبِ مہتاب کرنا ہے

نازک حالات:

اقتصادی اور معاشی اعتبار سے یہاں کے مسلمانوں کے حالات بہت نازک ہیں، اکثریت کا شتکار اور مزدور پیشہ ہے، اس کے علاوہ دیگر آبادی کا اکثر تناسب چھوٹے چھوٹے پیشوں سے ہے، جس سے دو وقت کے کھانے کا انتظام ہو پاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان جب کوئی شادی وغیرہ کا پروگرام کرتے ہیں تب سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور پوری زندگی قرض ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں ایسے نازک حالات میں اپنے بچوں کو کہیں مدارس یا اسکولوں میں پڑھانے کا سوال نہیں اٹھتا، اسی مجبوری کا فائدہ بعض ہندو تحریکوں نے اٹھایا غریب اور نادار مسلمانوں کی مدد کر کے مرتد ہونے پر مجبور کیا اور غریب مسلمان ان کے جال میں پھنس کر مرتد ہوئے، ہندو تحریکوں میں آریہ سماج بڑی متحرک اور فعال تحریک ہے جو خفیہ طریقہ سے اپنے کام میں ہمہ تن مصروف اور اپنے مشن میں کامیاب ہے۔

ایک عجیب بات:

ہمارے بزرگوں اور علماء کرام نے آزادی سے قبل ہی پورے ملک میں مدارس کا جال بچھا دیا جس نے ملک کی تقسیم جیسے حالات ہونے کے باوجود عام مسلمانوں میں دینی تعلیم کو قائم رکھا؛ لیکن جے پور سے لیکر گوالیر تک ایک بڑا علاقہ ایسا رہا جو مدارس کی تعلیم وتربیت سے محروم رہا یہی ارتداد اور بے دینی کا بہت بڑا سبب بنا۔

ارتداد زدہ علاقے:

ارتداد زدہ علاقوں میں سرفہرست تو ضلع ہاتھرس ہی ہے جہاں شہر دیہات سب جگہ بے دینی اور ارتداد ہوا؛ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سے علاقے ہیں جو ارتداد کے شکار ہیں، جہاں بہت محنت کی ضرورت ہے، مثلاً ضلع آگرہ، ضلع متھرا، ضلع علی گڑھ ان ضلعوں کے قرب وجوار میں بھی ارتداد جڑ پکڑ رہا ہے، اگر فوری طور پر توجہ نہ کی گئی تو حالات بہت خطرناک ہوسکتے ہیں۔

ضلع ہاتھرس کی ارتداد زدہ بستیاں:

یہاں ہم ضلع ہاتھرس کی ان مشہور بستیوں کا ذکر کر رہے ہیں جن میں اعلانیہ ارتداد ہوا:

اللہ پور۔ کلوکا نگلہ۔ چرسین۔ پرسارا۔ سوجیا۔ سوجان۔ گڑی رستم۔ چمرپورا۔ گڑیہ۔ لاکھنو۔ نگلہ کھرنی۔ نگلہ بنارسی پرہلات۔ کوٹا۔ لہرا۔

مسلمانوں کو مرتد کرنے کی جبری کوششیں:

ضلع ہاتھرس، آگرہ، متھرہ، علی گڑھ وغیرہ علاقوں میں راجپوت نامی ایک قوم بستی ہے، کچھ صدیوں پہلے ان کے آباء واجداد نے اسلام قبول کیا تھا لیکن ان کی صحیح طریقہ سے تربیت نہیں ہو پائی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے قدیم مذہب کی رسومات پر عامل وقائم رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ

وہ بالکل بے دین ہوگئے گویا کہ انہوں نے کبھی اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا، پھر آزادی کے بعد یہاں کی متعصب اور اسلام دشمن ہندو تنظیموں کو ایک سنہرا موقع مل گیا اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر ایک منظّم سازش رچی اور ان کو مرتد اور بے دین بنانے میں کوئی کسر نہ کی، مکمل افہام و تفہیم سے کام لے کر مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ وہ اصل ہندو ہیں ان کے اسلاف نے کبھی اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا بلکہ ان کو مغل بادشاہوں نے جبراً مسلمان کیا تھا؛ لیکن اب آزادی کے بعد حکومت کی باگ ڈور دوسری قوموں کی ہاتھوں میں آچکی ہے، اب تمہارا مسلمان رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، سرکاری محکموں میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہے، تو جو اصحاب ثروت تھے، وہ ہجرت کر کے پاکستان اور دیگر جگہوں پر چلے گئے جو فقیر و نادار لوگ تھے وہ باقی رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سیکڑوں بستیاں مرتد ہوگئیں اور جن کے اندر کچھ دینی حمیت و غیرت تھی وہ ظلم و زیادتی و بے انتہا تکالیف و مصائب کا سامنا کرتے ہوئے اپنے دین پر برقرار رہے۔

ارتداد کے چند اسباب:

ہندو تنظیموں کی جانب سے اسلام کے خلاف لٹریچر تیار کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے، یہ بات ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ یہاں کے مسلمان اقتصادی اور معاشی اعتبار سے جس طرح پچھڑے ہوئے ہیں، اسی طرح تعلیمی میدان میں بھی پستی و انحطاط سے دوچار ہیں اور یہاں کے ہندو باشندے عام طور پر اصحاب ثروت ہیں اور اجتماعی و ثقافتی اعتبار سے بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ منظّم ہیں، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ضلع ہاتھرس غذائی اجناس کی تجارت میں بہت مشہور رہا ہے اور اس کے تقریباً پانچ سو تاجر وہ ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی دشمن ہندو تنظیم آریہ سماج سے منسلک ہیں، جو لوگ اس کو ماہنامہ چندہ دیتے ہیں، اس چندہ کی تعداد کروڑوں پہنچتی ہے اور یہ سب سرمایہ مسلمانوں کو مرتد کرنے، اسلام کے خلاف زہر آلودہ لٹریچر تیار کرنے میں صرف ہوتا ہے اور پھر وہ لٹریچر مسلمانوں میں مفت تقسیم ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے مرتد ہونے میں مال کا کردار:

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہاں پر مسلمانوں کے مرتد ہونے میں مال کا بھی اہم کردار رہا ہے کیونکہ مسلمان عام طور پر بڑی خستہ حالت میں ہیں، ضرورت پڑنے پر وہ مال دار ہندوؤں سے سود پر قرض لے لیتے ہیں، جب اس کی ادائیگی کا وقت آتا ہے اور ادا نہیں کر پاتے ہیں، تو ان تنظیموں سے جڑے لوگ ان کی مدد کر کے مرتد ہونے پر مجبور کرتے ہیں، تو اس طرح یہ کمزور ایمان والے لوگ مرتد ہو جاتے ہیں، اور جب کوئی مسلمان مرتد ہو جاتا ہے تو ایک جشن ہوتا ہے جس میں ہندوؤں کے بڑے بڑے مشائخ اور لیڈر شریک ہوتے ہیں اور اس جشن میں مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف بیانات پیش کئے جاتے ہیں اور بت پرستی کو اسلام پر غالب اور فائق دکھانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، اس کا مسلمانوں پر بڑا منفی اثر ہوتا ہے جو مسلمانوں کو اور زیادہ کم ہمت بنا دیتا ہے۔

عیسائی مشنریز اور قادیانی تحریکیں:

مسلمانوں کی مجبوری اور بے کسی کا فائدہ اٹھا کر عیسائی اور قادیانی تحریکوں نے بھی ناصح دوست کے روپ میں شیطانی چہرہ کھولا، سوجان اور سادھن جیسے علاقوں میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی، بہت سے مسلمان قادیانی بھی ہوئے اور عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کو بے دین بنانے کے لئے مختلف جگہوں پر مدارس اور اسپتال کھولے ہیں۔

ارتداد اور بے دینی کا مقابلہ کس طرح ممکن ہے:

اس علاقے میں اعلیٰ قسم کے اسلامی ادارے قائم کئے جائیں تا کہ ان اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ کہیں بھی اپنے آپ کو کمتر نہ سمجھیں اور عصری علوم کے اداروں میں دینی تعلیم و تربیت کی کوشش کی جائے۔

پورے علاقے کے ہر گاؤں میں مکاتب کا جال بچھا دیا جائے جس میں بچے ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک کی تعلیم مکمل کر کے اپنے ایمان کی

حفاظت کر سکیں۔

ایسے مقامی حفاظ وقراء اور علماء دین پیدا کرنے کی مہم چلائی جائے تا کہ برائی پنپ نہ سکے۔

ٹیکنالوجی کے ایسے کالج قائم کئے جائیں جن میں ٹیکنالوجی کی تعلیم کے ساتھ دینی علوم کو ذہنوں میں بٹھانے کا کام ہواور اسلامی انداز میں تربیت کا رنگ غالب ہو،ایسی اسکیمیں اور منصوبے بنائے جائیں جن سے مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت بہتر ہوجائے اور ہندوؤں سے قرض نہ لینا پڑے۔

مختلف اوقات میں مختلف موقعوں پر تبلیغی دورے کئے جائیں اور ایسے سادہ لوح افراد جن کے قلوب کو اسلام دشمنی سے زہر آلود کیا گیاہے، ان سے ملاقات کر کے سنجیدہ انداز میں گفتگو کی جائے اور اسلام کا صحیح مفہوم پیش کیا جائے تا کہ ان کے دلوں سے اسلام کی نفرت ختم ہوجائے اوران کو مثبت پہلو سے اسلام کی دعوت دی جائے۔

ہماری کوششیں:

مذکورہ حالات کے پیش نظر تین سال پہلے ہم نے ہاتھرس کا سروے کیا اور شہر ہاتھرس کے قریب ترفرا گاؤں کی ایک مسجد میں مکتب کی بنیاد رکھی گئی،تعلیم سے متأثر ہوکر گاؤں کے ہی کچھ صاحب خیر حضرات نے ساڑھے تین بیگھا زمین مدرسے کے لئے ہدیہ کردی،الحمدللہ اس زمین میں دارالعلوم ہاتھرس نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی گئی، چند دنوں میں ہی مدرسہ کے ہاسٹل میں مقامی طلبہ کی بھی ایک اچھی تعداد جمع ہوگئی جس میں مرتدین کے بچوں نے بھی علوم دینیہ کو سیکھنے کے لئے داخلہ لیا ان میں کچھ بچے حفظ کر رہے ہیں، کچھ قرآن پاک ناظرہ پڑھ رہے ہیں،اور الحمدللہ مدرسے کے ساتھ ساتھ کچھ ارتداد زدہ دیہاتوں میں مکاتب بھی قائم کئے گئے ہیں:

(۱) لالہ کا نگلہ ہاتھرس۔ (۲) مدھوگڑھی ہاتھرس۔
(۳) موضع اللہ پور۔ (۴) موضع میولی۔
(۵) موضع نندو کا نگلہ۔ (۶) موضع پلکھنا۔

ضرورت:

اوپر کی اس مختصر سی گفتگو سے یہاں کے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوا ہوگا اور یہاں کس قدر جانفشانی کے ساتھ کام کی ضرورت ہے،اس کا اندازہ ہوگیا ہوگا اور یہ احساس بھی ہوا ہوگا کہ واقعی بعض جگہوں پر مسلمانوں کی خوشحالی اوراطمینان بخش حالت کے باوجود اس علاقے میں مسلمان کس ذہنی وفکری، تعلیمی ومعاشرتی ، معاشی واقتصادی، دینی ودنیوی پسماندگی کا شکار ہیں،بس اب بات اسی سے بن سکتی ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کاش صدیقی حمیت کا ایک چھوٹا سا حصہ نصیب ہوجائے، اسلام گھروں سے دلوں سے نکل رہا ہے،ارتداد عام ہو رہا ہے،اسلام کی حفاظت اور مرتدین کو اسلام میں واپس لانے کے لئے اسی صدیقی حمیت کے تحت محنت کی سخت ضرورت ہے،اس محنت کی سب سے اہم کڑی چپہ چپہ پر مکاتب اسلامیہ کا قیام ہے، جنہیں اسلامی دعوت وتبلیغ کا سینٹر بنا کر اس سے متعلق گھروں میں دین کو پہنچایا جاسکے۔

آخری بات:

ایک آخری بات جو آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پر بے دینی کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ بچوں کی صحیح طریقہ سے تربیت نہیں ہو پاتی، پہلے مرحلہ میں تربیت کا کام چونکہ ماں انجام دیتی ہے اور ماں خود بے چاری تعلیم وتربیت سے ناآشنا ہوتی ہے تو جو خود تربیت کی محتاج ہو وہ دوسرے کی کیا تربیت کرسکتی ہے، مقام افسوس یہ ہے کہ کتنی مائیں ایسی ہیں جن کو کلمہ توحید تک یاد نہیں، یہاں کے ضلع علی گڑھ، ضلع ہاتھرس، ضلع آگرہ، ضلع متھرا، ضلع ایٹہ کسی بھی ضلع میں ایسا کوئی لڑکیوں کا ادارہ نہیں ہے جس میں ان سب علاقوں کی لڑکیوں کی تعلیمی کفالت کی جاسکے،اس وجہ سے تعلیم نسواں کے لیے ایک ایسا دینی ادارہ قائم کیا جائے جس میں ہاسٹل کی اتنی گنجائش ہو کہ اس سے پورے علاقہ کی کفالت ہوسکے اور لڑکیاں باقاعدہ بورڈنگ کی سہولت کے ساتھ اسلامی آداب کی پوری رعایت رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کرسکیں۔

تجزیہ

مخلوط تعلیم-نتائج ونقصانات

سعدیہ اختر عندلیب، بنگلور

انسان کو اللہ تعالی نے اشرف المخلوقات کے اعلی درجہ پر فائز کیا ہے، ہم اس کائنات میں محض ایک جانور کی طرح چرنے کے لئے اور اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے نہیں آئے بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک انقلابی وآفاقی، اصلاحی ودعوتی پیغام لے کر اس دنیا میں وارد ہوئے ہیں، کھانے کمانے اور جسمانی راحت کے سارے نقشوں کے ساتھ روحانی وقلبی غذا یعنی اسلامی احکامات واخلاقیات کا ایک بڑا خزانہ ہمارے پاس موجود ہے، جو ہر زمانے میں ڈوبتی ہوئی انسانیت کو کنارے پہنچانے اور کسی جاں بلب سوسائٹی کو بچانے کی عملی صلاحیت رکھتا ہے، ماضی میں ہماری مسلم سوسائٹی نے دنیا کو بڑے بڑے فتنوں اور مصیبتوں سے نجات دلائی ہے اور آج بھی قرآن کریم، سیرت نبوی فقہ وقانون اور اخلاقیات کا ایک بیش بہا اور مستند خزانہ ہمارے پاس موجود ہے، لہٰذا اس قلبی وذہنی سکون والی تعلیم ہماری نئی نسل کو خاص کر کہ ہماری لڑکیوں کو جو مستقبل کے سماج کی ماں کی حیثیت سے تربیت کی اہم ذمہ داری سنبھالنے والی ہیں ان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کے لئے گاڑھے پیسے کی کمائی تو کیا بلکہ قرض لے کر بھی ان کی اصلاح اور اسلامی کلچر پر باقی رکھتے ہوئے ان کی تعلیم پر توجہ دی گئی، یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا، اسلام نے تعلیم نسواں سے نہیں روکا بلکہ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی تاکہ وہ پڑھ لکھ کر اچھا گھرانہ تشکیل دے سکیں، تعلیم حاصل کرنے کے جتنے مواقع مرد کے لئے ہیں، اتنے ہی خواتین کے لئے ہیں، ان کی ترقی میں کوئی امر مانع نہیں ہے، لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا ترقی وتعلیم میں آگے بڑھنے کے لئے ہماری بچیوں کا بن سنور کر نکلنا ضروری ہے؟ کیا چست وفیشن ایبل لباس پہن کر ہی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے؟ کیا لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ میل ملاپ سے ہی ترقی کے میدان میں قدم رکھا جا سکتا؟ کیا لڑکے ولڑکیاں کی مخلوط تعلیم ہی ایک واحد راستہ ہے حصول تعلیم کا؟۔

ان سوالوں کے جوابوں پر غور کیا جائے، یہ بھیانک حقیقت ہمارے سامنے آئے گی، آج کل اس طرز کو ترقی وتعلیم مانا جا رہا ہے، آج محض تعلیم وترقی کو بہانہ بنا کر مغربیت کو اپنایا جا رہا ہے، کیا ماضی میں اسلاف کی خواتین اہل علم نہ تھیں، ان میں فقیہہ، عالمہ، محدثہ، مؤرخہ اور طبیبہ وغیرہ نہ تھیں؟ ضرور تھیں؛ لیکن انہوں نے شرعی حدود کو پھلانگ کر علم حاصل نہیں کیا بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر علم حاصل کیا، آج بھی خواتین پردے میں رہ کر بھی جدید تعلیم حاصل کر سکتی ہیں لیکن افسوس کہ ہماری مسلم قوم سے یہ شعور مٹتا جا رہا ہے، آج بہت سے مسلمان اہل علم مسلم گرلس اور کالجس کھول رہے ہیں، لیکن ان کے اور مغربی اسکولوں کے ماحول میں ایک ذرہ بھی فرق نہیں آتا وہ اپنے متعین کردہ قوانین کی پابندی تو خوب کرواتے ہیں؛ لیکن مسلم بچیوں کی دینی تربیت کا انہیں کوئی خیال نہیں ہوتا، آج ہم مغرب کی اندھی تقلید میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ ہمیں پتہ ہی نہیں چل رہا ہے کہ ہم کس تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں، یورپ وامریکہ میں مرد اور عورت کے ایک دوسرے کے ساتھ اسکول کالج، کلب پارٹیوں اور آزادانہ اختلاط اور ننگے پن میں مسلمانوں کو اتنا مسحور کر دیا ہے کہ وہ بھی آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں، اسی میں سے ایک چلن مخلوط تعلیم ہے، لڑکے لڑکیوں کا ایک ساتھ جماعت میں بیٹھ کر لکھنا پڑھنا مخلوط تعلیم کہلاتا ہے۔

مردوں اورعورتوں سے بے محابہ اختلاط تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کی لائی شریعت میں جائز نہیں رکھا گیا، اس طرح لڑکے اورلڑکیوں کا اکٹھے ایک جگہ پڑھنا اور بے حجاب رہنا بہت بڑے فتنے کا باعث ہے، لیکن آج مخلوط تعلیم کی وجہ سے کالجوں میں دوسرے اسباق کے ساتھ ساتھ طلباء درس وفا، درس عشق ومحبت بھی بہت اچھی طرح سے سیکھ رہے ہیں، جب کہ والدین اپنے بچوں کے تئیں بڑی بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن مخلوط تعلیم گاہوں میں پڑھنے والے اکثر بچے عشق کی وادیوں میں گھوم رہے ہوتے ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ کل تک جو جگہیں اعلی تعلیم کے مراکز تھیں، آج وہ عشق ومحبت کی آماجگاہ ہیں، ہماری تعلیم گاہوں میں ہماری نوجوان نسل جس محبت کی نمائش کرتی ہیں اس کا اسلامی تعلیمات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ تو مغرب کی نقالی ہےاور یہ ایسا زہریلا سانپ ہے جو غیر محسوس طریقے سے ڈستا ہےاور اس کا زہر تادم آخر محسوس ہوتا رہتا ہے، آج تعلیم وترقی کے نام پر ہماری نوجوان نسل کس راستے جارہی ہے یہ تو واضح ہے، اس مخلوط تعلیم نے ہماری نوجوان نسل کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، اہل مغرب کے اس مخلوط تعلیمی نظام نے صنف نازک کی حیاء، عصمت، عفت اور تقدس کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، کیا ایک باوقار باپ، ایک معزز بھائی اور غیرت مند خاوند یہ پسند کرے گا کہ نسوانیت کی مٹی اس طرح دنیا میں ذلیل وپلید ہوتی رہے؟ کیا غیر انسانی کا یہی تقاضہ ہے کہ عورت جس کو اسلام نے عزت بخشی وہ اس طرح مردوں کے ہاتھ کا کھلونا بنی رہے؟ اہل علم ودانش یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس عریانی وفحاشی میں ۵۰ رفیصد سے زیادہ کردار مخلوط تعلیم کا ہے، تقریباً سارے مسلم ممالک میں بے پردگی کی وباء آئی ہوئی ہے ، اوراخلاقی بندھن اوراسلام کا معاشرتی ضابطہ توڑا جارہا ہے، حتی کہ اب سعودی عرب میں بھی بے پردگی اورمخلوط تعلیم کی وکالت ہونے لگی ہے۔

آج بہت سے لوگ اسلام کے تعلق سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں کشادگی نہیں ہے یہ ان لوگوں کی کج فہمی ہے اور کچھ نہیں، اسلام ہر لحاظ سے ہر فرد کی حفاظت اوراس کی اصلاح کا خیال رکھتا ہے، اسلام نے عورتوں اور مردوں کے بے محابہ اختلاط سے کیوں روکا ہے، آیئے اسے ایک مثال کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر ایک تنگ راستے پر دوطرفہ ٹریفک چل رہی ہوتو گاڑیوں کے ٹکرانے کی شرح بہت زیادہ ہوگی، اگر ایک طرفہ ٹریفک چلے گی تو یہ شرح کم ہوجائے گی، اسی طرح اگر کسی جگہ مردوں اورعورتوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا ہے تو ان کے گناہوں میں ملوث ہونے کی شرح بہت زیادہ ہوجائے گی ، اگر پردے کی پابندیاں لگا کر مردوں اورعورتوں کو الگ کردیا جائے تو پھر گناہ میں ملوث ہونے کی شرح بھی بہت کم ہوجائے گی، شریعت نے اسی اصول کے تحت مسلمان مردوں اورعورتوں کو آزادانہ اختلاط سے مکمل اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، اگر ہم تاریخ کے اوراق الٹیں تو پتہ چلے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس تعلق سے کس قدر احتیاط کی جاتی تھی، عورتوں کی محفلیں جدا ہوتیں، مسجد میں ان کے داخلے کا دروازہ جدا ہوتا، عورتیں مردوں سے ہٹ کر راستوں کے بالکل کناروں سے چلتیں، یہ اسلام کا حسن وجمال ہے کہ اس نے عورت کو حیا وعفت کی چادر دے کر اس کے گرد ایک مضبوط گھیرا ڈالا ہوا ہے، اسے سیپ میں بند موتی کی طرح سمجھا ہے، کوئی گری پڑی چیز بازاری چیز نہیں بنائی، اس کے برعکس اگر آپ مغربی سوسائٹی پر نظر دورائیں تو پتہ چلے گا کہ وہ لوگ خود اپنی تہذیب اوراپنے خود ساختہ نظریات سے تنگ آچکے ہیں، واشنگٹن پوسٹ کا کالم نگار لکھتا ہے کہ:

''نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات امریکہ میں خطرناک حدتک پہنچ گئے ہیں، امریکہ کی گیارہ ریاستوں میں ریسرچ اسٹیڈی کی گئی اس ریسرچ کے جو اعداد وشمار سامنے آئے ہیں ان کے مطابق عصمت دری کا شکار پچاس فیصد خواتین کی عمر اٹھارہ سال سے بھی کم ہے اور پچیس فیصد کی تو تیرہ سال سے بھی کم ہے، اورحد تو یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں برتھ کنٹرول پلز لینے لگی ہیں، تو ہم سوچ سکتے ہیں کہ وہاں

کی بے راہ روی اور بے حیائی کس درجہ ہوگی، یہ سب کیوں ہے، کس لئے ہے، اس کے نتائج پر غور کرتے ہوئے وہاں اب لڑکیوں کو اپنی حفاظت کے طریقے سکھانے پر زور دیا جارہا ہے، لیکن اسلام کا حسن وجمال دیکھئے کہ اس نے عورت کو ایک آبگینہ سمجھ کر اسے پردے میں رہنے کا حکم دیا اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کرنے کی ذمہ داری اس سے متعلق مرد حضرات کو سونپ دی، کیونکہ عفت وہ گوہر گراں مایہ ہے جس سے انسانیت کے تاج کی زیب وزینت دی، یہ وہ جوہر ہے جس کی قیمت پہچاننے اور قدر کرنے سے انسانیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس کی بے قدری سے انسانیت پامال ہوجاتی ہے۔

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

مخلوط تعلیم کے نقصانات:

مخلوط تعلیم سے قدرتی طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ صنف مقابل کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر رہیں۔

❁ بے پردگی اور اختلاط کے ساتھ لازماً عورتوں میں ذوق جمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

❁ عریانی بناؤ سنگھار اور جلوہ نمائی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور حسن کی نمائش اور صنفی میلانات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

❁ مخلوط تعلیم کی وجہ سے فواحش کے دروازے کھلتے ہیں۔

❁ مخلوط تعلیم سے لڑکے اور لڑکیوں میں یہ تبدیلی آتی ہے کہ غیر محرم سے گفتگو کرنے کی جھجک ختم ہوجاتی ہے۔

❁ تعلیم کی طرف توجہ کم اور فیشن پرستی اور بے کاری میں وقت زیادہ گزرتا ہے اور نئے زمانے کے نئے آلات نے تو کام اور بھی آسان کیا ہے، موبائیل فون کے ذریعہ کالج کے بعد بھی باتیں ہوتی ہیں، میسیج بھیجے جاتے ہیں تو پڑھائی کے لئے وقت بہت ہی کم نکلتا ہے۔

❁ مخلوط تعلیمی اداروں میں طلباء وطالبات کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہونے کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔

❁ اس طرز تعلیم سے تہذیب وتمدن کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

❁ نوجوان نسل کے اخلاق کے بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہے، اور انہیں دین سے دور رکھتی ہے۔

❁ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخلوط تعلیمی اداروں میں بچوں کو داخلہ دلوانے کے بعد گھر والوں کے شکوک وشبہات بڑھ جاتے ہیں، ان پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے، اس لڑکے کی طرف کیوں دیکھا، اس سے بات کیوں کی، وہاں کیوں ہنس رہی تھی، یہ بال کیوں اس طرح بنائے ہیں وغیرہ وغیرہ سوالات پوچھے جاتے ہیں، تو بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ اگر اس طرز تعلیم کو نہ اپنایا جائے تو بہت ساری مشکلوں سے بچا جاسکتا ہے۔

یہ تو صرف چند بڑے نقصانات ہیں ورنہ تو اس کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں جنہیں معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے۔

بہت لوگ مخلوط تعلیمی نظام میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے پڑھنے یا پھر روزگار کے لئے مردوں کے ساتھ کام کرنے پر مجبور ہیں؟ تو ایسی صورت میں ہمیشہ احتیاط کے دامن کو تھامے رہنا چاہئے، ایسی تعلیم گاہوں میں لڑکوں کو چاہئے کہ طالبات کے ساتھ مل کر نہ بیٹھیں اور نہ ہی ان کے ساتھ باہر نکلیں اور نہ ہی ان سے بے ہودہ اور غیر ضروری گفتگو کریں، طلباء کو اپنے ذہن میں یہ بات رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی ہماری بہن یا ماں کے ساتھ یا محرم رشتوں کے ساتھ کوئی غلط حرکت کرے، انہیں بری نظروں سے دیکھے تو کیسا لگے گا، ٹھیک اسی طرح ہر لڑکی اور ہر عورت کے تئیں اس کے دل میں احترام وعزت موجود رہے، طالبات پر لازم ہے کہ وہ شرعی پردہ اور وقار وسنجیدگی کو اختیار کریں، طلبا سے دور رہیں اور اپنے کام اور مقصد کو مدنظر رکھیں، رنگ برنگ کپڑے، خوشبو، زیبائش کا استعمال نہ کریں بلکہ سادگی وحیاء کو اپنائیں، کیونکہ پردہ اور شرم وحیاء ہی ان کی اچھی شہرت اور شرف واحترام کی علامت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی ماردی جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ آدمی ایسی عورت کو ہاتھ لگائے جو اس کے لئے جائز نہ ہو''۔ ﴿بقیہ اگلے صفحہ پر ۳۹/ پر﴾

عظمت کعبہ

نیا غلاف کعبہ دو کروڑ ریال میں تیار ہوا

مولانا ضیاء الرحمٰن چترالی

مسجد حرام کے امام وخطیب شیخ عبدالرحمٰن السدیس نے کہا ہے کہ خانہ کعبہ کا نیا غلاف تیار ہو گیا ہے، جسے ۹ رذی الحجہ کو بیت اللہ کی زینت بنایا گیا ہے، خانہ خدا کے نئے غلاف پر دو کروڑ ریال سے زائد کی لاگت آئی ہے، مکہ مکرمہ میں قائم مخصوص فیکٹری نے اسے تیار کر کے حرمین کمیٹی کے حوالے کر دیا، نیا غلاف کعبہ ۶۷۰ رکلوگرام خالص ریشم سے بنایا گیا ہے، جس پر ۱۵۰ رکلوگرام خالص سونے اور چاندی کے تاروں سے قرآنی آیات اور اسلامی عبارات کی کشیدہ کاری کی گئی ہے، اس غلاف کا سائز ۶۵۸ رمربع میٹر ہے اور یہ ۴۷ رحصوں پر مشتمل ہے، ہر حصہ ۱۴ رمیٹر طول اور ۹۵ رسینٹی میٹر چوڑا ہے، غلاف کعبہ بیت اللہ کی چاروں دیواروں کے علاوہ دروازے پر بھی آویزاں کیا گیا ہے، غلاف کی تبدیلی کے اس عمل میں ۶ رگھنٹے لگے، اتارے جانے غلاف کے ٹکڑے بیرونی ممالک سے آئے ہوئے سربراہان مملکت اور دیگر معززین کے بطور تحفہ پیش کئے جاتے ہیں اور ائمہ حرمین بیرون ممالک جاتے ہوئے یہ مقدس ٹکڑے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اہم شخصیات کو ہدیہ کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ غلاف کعبہ جسے عربی میں "کســـوۃ الکعبة" کہتے ہیں، ہر سال تبدیل کیا جاتا ہے، خانہ کعبہ کے غلاف کی تیاری کے لئے شاہ عبدالعزیز کے حکم پر ۱۹۷۷ء میں جدید اور خودکار مشینوں پر مشتمل ایک فیکٹری بنائی گئی، جو ہر سال غلاف کعبہ تیار کرتی ہے، یہ فیکٹری ایک سال کے لئے صرف ۲ رعدد غلاف کعبہ تیار کرتی ہے، ایک غلاف جو سیاہ ہوتا ہے، بیرونی دیوار پر ڈالا جاتا ہے، جب کہ دوسرا غلاف بیت اللہ کی اندرون دیوار پر ڈالنے کے لئے سبز رنگ کا ہوتا ہے، اندرونی غلاف کبھی کبھار تبدیل ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ بیرونی فضا سے محفوظ ہے، اس لئے اسے جلد تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، غلاف کعبہ کے سامنے کی طرف سونے کے حروف سے تیار ہونے کی تاریخ لکھی جاتی ہے، اور یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ اسے خادم الحرمین نے خانہ خدا کو ہدیہ کیا ہے، غلاف کعبہ میں نہایت خوبصورت طریقے سے لفظ "یا اللہ" اور "لا الہ الا اللہ" کپڑے کے اندر ہی لکھا ہوا نظر ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس پر غلاف ڈالا تھا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عدنان نے کعبہ کو غلاف پہنایا تھا، بعد ازاں جاہلیت میں زمانہ نبو سے ۲۰۰ ربرس قبل اسعد الحمیری نامی یمنی بادشاہ نے بیت اللہ پر سفید رنگ کا غلاف ڈالا تھا، اس کے بعد یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اپنے دست اقدس سے یمنی کپڑے کا بنا غلاف بیت اللہ ڈالا تھا، خلفائے راشدین نے بھی اپنے زمانے میں بیت اللہ کو غلاف پہنایا ہے، غلاف کعبہ کی تیاری کے لئے مکہ معظّمہ میں "ام الجود" کے مقام پر باضابطہ ایک کارخانہ لگایا گیا ہے، اس کارخانے میں خانہ کعبہ کے غلاف کے لئے اعلیٰ معیار کے ریشمی کپڑے کی تیاری سے لے کر غلاف کعبہ اور اس پر آیات قرآنی سے نقش ونگاری تک تمام مراحل کا کام کیا جاتا ہے۔

العربیہ ڈاٹ نیٹ کے مطابق وقت کے ساتھ خانہ کعبہ کے غلاف میں بھی جدت اور انفرادیت آتی جارہی ہے، کسی دور میں محض سیاہ رنگ

کے سادہ کپڑے کو خانہ کعبہ کا لباس بنایا جاتا تھا؛ لیکن ۶۵۸ ؍مربع میٹر وسیع غلاف کے لئے آج ریشم وکم خواب اور کرۂ راض کا قیمتی ترین ریشمی دھاگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

۸؍ مارچ ۱۹۷۷ء کو شاہ خالد نے ڈیڑھ ہزار مربع میٹر پر پھیلی ہوئی اس فیکٹری کا افتتاح کیا تھا، اس سے پہلے مختلف ممالک میں غلاف بنتا تھا، جو بعض دفعہ ناقص بھی ہوتا تھا، جسے سعودی حکمرانوں نے اپنے لئے معیوب سمجھا اور خادم الحرمین والشریفین عبدالعزیز نے ۱۹۷۲ء میں فیکٹری کی بنیاد رکھی، جس میں کام کرنے کیلئے صرف سعودی باشندے مقرر کئے گئے، اس فیکٹری میں انتظامیہ اور عملے کے علاوہ تقریباً دوسو ماہر کاریگر کام کرتے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ اکثر کاریگر گونگے اور بہرے ہیں، غلاف کعبہ کی تیاری کے کئی مراحل ہیں، جس میں اس کے کپڑے کی تیاری سے لیکر اس پر قرآنی آیات کی نقش نگاری تک کے مراحل شامل ہیں، اس دوران کپڑے کی سلائی کے لئے ماہرین کی خدمت حاصل کی جاتی ہیں، جو سونے اور چاندی کے تاروں سے سلائی کرتے ہیں۔

غلاف کعبہ کو ہر عام وخاص شخص چھو بھی نہیں سکتا، اسے صرف وہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں جو اس کے تیاری پر کام کرتے ہیں، یا خانہ کعبہ کے غلاف کی تیاری کرتے لئے انتظامی کمیٹی کے ارکان اس کے قریب جاسکتے ہیں۔

غلاف کعبہ کی لمبائی ۱۴؍میٹر ہوتی ہے، اس کے اوپر والے ایک تہائی حصے میں غلاف کعبہ کو باندھنے والی چوڑی پٹی ہوتی ہے، جس کی چوڑائی ۹۵؍سینٹی میٹر، تقریباً ایک گز ہوتی ہے اور اس پر چاندی پر پالش کئے ہوئے سونے سے قرآنی آیات لکھی جاتی ہے، اس چوڑی پٹی والے ٹکڑے کی لمبائی ۴۷؍میٹر ہوتی ہے، جو ۱۶؍مجموعوں پر محیط ہوتی ہے، اور بیت اللہ کے چاروں طرف غلاف کی چوٹی پر نصب ہوتی ہے، جس پر سورۂ اخلاص اور قرآنی آیات الگ الگ مربع کی شکل میں خط ثلث میں تحریر کی جاتی ہیں، جو عربی میں سب سے زیادہ خوبصورت خط ہے، غلاف کعبہ کے ریشمی کپڑے کو سیاہ رنگ میں رنگا جاتا ہے، کپڑے کی موٹائی 37.1 ملی میٹر ہوتی ہے، غلاف کعبہ کا سب سے خوبصورت حصہ بیت اللہ کے دروازے پر ڈالا جاتا ہے، جس کے اوپر نہایت ترتیب اور خوبصورت کتابت سے قرآنی آیات اور دیگر اسلامی عبارتیں منقش ہوتی ہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق بیت اللہ کے غلاف پر اٹھنے والے اخراجات تقریباً دوکروڑ ریال سے زیادہ ہیں، جو ہر سال خادم الحرمین اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ پچھلے......صفحہ ۳۷؍کا﴾اور مزید ایک حدیث میں ہے کہ عورت پردہ کی چیز ہے جب وہ بے پردہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عبرت نشاں کس کے لئے ہے؟ مسلمان خواتین ہی کے لئے تو ہے، مسلمان عورت کو سوچنا ضروری ہے کہ ہم میں اور دوسری عورتوں میں جو اسلام سے تعلق نہیں رکھتیں کچھ فرق ہونا چاہئے یا نہیں، چنانچہ اسے اپنی عفت وپارسائی کا لحاظ کرنا ہے، بے پردگی اور بے احتیاطی کر کے اپنے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہیں کرنا ہے، طلبا وطالبات کو اور ہر مسلمان کو ہر اس ذریعہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے بے حیائی پھیلے اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو، تبھی ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

بہرحال اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس سے ہر ایک فرد کی عفت وعصمت کی حفاظت ہوتی ہے بس ضرورت ہے اسے عمل میں لانے کی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کو مغرب کے اس طوفان بے حیائی سے بچاتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

فضائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلتیں اور برکتیں

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرٌ" ہر اہم کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ دم بریدہ یعنی بے برکت رہتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام پڑھا جائے گا اس میں برکت ہوگی اور بسم اللہ پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔

ہر اہم کا م کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم:

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے، اس رسم جاہلیت کو مٹانے کے لئے قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جو جبریل امین لے کر آئے، اس میں قرآن کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے "اقراء بسم ربك" پڑھ اپنے رب کے نام سے۔

بسم اللہ قرآن کریم کا جز ہے یانہیں؟:

قرآن کریم میں جو بسم اللہ مذکور ہیں، ان میں سے ایک جو سورہ نحل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ہے وہ بالا تفاق جز وقرآن ہے، یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج میں سے ایک روز ہد ہد بلا اجازت غیر حاضر تھا، اس وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض ہوئے، اور فرمایا اگر اس نے معقول عذر نہ پیش کیا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا، یا ذبح کردوں گا، تھوڑی دیر کے بعد ہد ہد آیا اور اس نے کہا کہ میں آپ کے پاس ایک نئی خبر لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ وادی سبا میں ایک عورت حکمراں ہے، اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے، اس کی رعایا غیر اللہ کو سجدہ کرتی ہے، یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس ملکہ کے نام ایک خط لکھ کر ہد ہد کے حوالہ کیا، اس خط میں یہ لکھا تھا کہ "إنه من سليمان وإنه بسم الله الرحمن الرحيم" اور ہد ہد کو حکم دیا کہ یہ خط ملکہ سبا کے پاس پہنچا دے، ہد ہد گیا اور اس نے روشن دان سے داخل ہوکر وہ خط ملکہ کے پاس ڈالدیا، ملکہ نے اپنے وزاء وامراء کو بلا کر مشورہ کیا، سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، ملکہ نے کہا کہ میں سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، ہد ہد نے یہ تمام گفتگو حضرت سلیمان علیہ السلام سے بیان کردی، انہوں نے اس کے قاصدوں کے آنے سے پہلے راستہ میں میلوں تک اپنے لشکر کے افراد جنات وغیرہ کو پھیلا دیا، اس کے قاصد ہدیہ لے کر آئے تو بہت مرعوب ہوئے، سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ قبول نہیں کیا، ملکہ کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ سمجھ گئی، یہ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ پیغمبر ہیں، اس لئے اس نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا، اور روانگی سے پہلے اپنے تخت کو ایک محفوظ مکان میں بند کردیا، سلیمان علیہ السلام نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ اس کا تخت کون لاسکتا ہے؟ ایک جن نے مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی تخت حاضر کردینے کا وعدہ کیا؛ لیکن سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے جو اسم اعظم کے عامل تھے، جن کی کمزوری ظاہر کرنے کے لئے پلک جھپکتے ہی اس کو حاضر کردیا، اس کے بعد ملکہ سبا آئی اور مسلمان ہوگئی۔

اس واقعہ میں جو بسم اللہ مذکور ہے، وہ بالا تفاق قرآن کا جز ہے، باقی تمام سورتوں کے شروع میں جو بسم اللہ لکھی جاتی ہے، اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء اس کو بھی قرآن کا جز مانتے ہیں، لیکن امام

مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ قرآن میں سے نہیں، البتہ ان کے متبعین کی ایک جماعت جمہور کے ہم خیال ہے۔(معارف مدینہ)

بسم اللہ کے نزول کا تکرار:

حضرت آدم علیہ السلام پر بسم اللہ نازل ہوئی، توانہوں نے فرمایا جب تک میری امت بسم اللہ پڑھتی رہے گی، آفتوں سے محفوظ رہے گی، پھر اسے اٹھالیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بسم اللہ پڑھی، تو اللہ تعالی نے آگ کوان پر ٹھنڈا کر دیا، اور بسم اللہ کی برکت سے آپ آگ سے صحیح سلامت نکل آئے، اس کے بعد بسم اللہ اٹھالی گئی، پھر توریت کے ساتھ بسم اللہ حضرت موسی علیہ السلام پر نازل ہوئی، آپ نے بسم اللہ پڑھی اوراس کی برکت سے فرعون، ہامان اس کے لشکروں جادوگروں قارون اوران کے سب پیروؤں پر غالب آگئے، پھر بسم اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس وقت تمام فرشتوں نے کہا اے داؤد کے بیٹے خدا کی قسم آج تجھ پر تیرا ملک مکمل کر دیا گیا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس چیز پر بھی بسم اللہ پڑھتے وہ مطیع ہوجاتی، بسم اللہ کی برکت سے حضرت سلیمان علیہ السلام زمین کے تمام بادشاہوں پر غالب آئے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بسم اللہ اٹھالی گئی، پھر حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی، انہوں نے اپنے حواریوں کواس کی خوشخبری دی، اللہ تعالی نے ان پر وحی نازل کی یہ آیت امان کی ہے اوراس کا نام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، تم اسے اٹھتے بیٹھتے کھڑے سوتے جاگتے چلتے پھرتے ہمیشہ پڑھتے رہا کرو۔(غنیۃ الطالبین)

بچہ کو بسم اللہ پڑھانے کے سبب باپ کی مغفرت:

حضرت امام رازیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا، آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے، اپنے کام سے فارغ ہوکر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں، آپ کواس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالی سے دعا مانگی، اللہ تعالی نے وحی بھیجی اے عیسیٰ! یہ بندہ گنہ گار تھا اور جب سے مرا تھا عذاب میں گرفتار تھا، یہ مرتے وقت اپنی بیوی حاملہ چھوڑ گیا تھا، اس عورت نے ایک فرزند جنا اوراس کی پرورش کی، یہاں تک کہ بڑا ہوا، اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا، استاد نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی، پس مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اوراس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر۔(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۱۷۲)

جب حضرت عیسی علیہ السلام پر بسم اللہ نازل ہوئی، حضرت عیسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے پوچھا کہ کیا یہ نعمت خاص میرے ہی لئے ہے، فرمایا ہاں تیرے لئے اوراس شخص کے لئے جو تیرے کہنے پر چلے گا، تیرے بعد یہ نعمت احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، پھر اس سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت فیضیاب ہوگی، حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی اطلاع اپنی قوم کو دی، اور فرمایا میرے بعد احمد نام کا ایک پیغمبر آئے گا، پھر آپ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے آپ کا حلیہ بیان کیا، اپنی تمام قوم سے عہد لیا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں توان پر ایمان لانا، اللہ تعالی نے جب حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمان پر اٹھالیا اوران کے اصل حواری اور پیروکار دنیا سے رخصت ہوگئے تو ان کی جگہ نئے نئے گمراہ لوگ پیدا ہوگئے، انہوں نے دین مسیحی چھوڑ دیا اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا، تب نصاری کے ایمان کی مذکورہ آیت ان لوگوں کے سینے سے اٹھالی گئی، صرف چند کے دل میں جو انجیل مقدس پر عمل کرتے تھے، اس کا اثر باقی رہا، ان میں ایک بحیرہ راہب بھی تھا۔(غنیۃ الطالبین)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بسم اللہ کا نزول:

حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نوازا، جب مکہ مکرمہ میں سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ یہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نازل ہوئی۔ (غنیۃ الطالبین)

بسم اللہ کے فضائل:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص دوزخ کے فرشتوں سے (جو تعداد میں انیس ہیں) نجات چاہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے، کہ اس کے انیس حروف ہیں، اور ہر حرف ان فرشتوں سے بچنے کی ڈھال ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام ہے، اور جس قدر آنکھ کی سفیدی اور سیاہی کے درمیان قرب ہے، اتنا ہی بسم اللہ اور اسم اعظم کے درمیان قرب ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسے کاغذ کو تعظیم کے لئے زمین سے اٹھائے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللہ) لکھا ہو، اس کا نام صدیقوں میں لکھا جاتا ہے، اگر اس کے والدین عذاب میں مبتلا ہوں، ان کے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

شیطان کی گریہ وزاری:

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کبھی اتنا نہیں رویا جتنا ان تین دنوں میں رویا:

- ایک وہ دن جس میں وہ ملعون ہوا، اور آسمان کے فرشتوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔
- دوسرے اس دن جس میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔
- تیسری بار اس دن رویا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی؛ کیونکہ اس سے قبل بسم اللہ لکھی تھی۔ (غنیۃ الطالبین)

بہشت کی پکار لبیک:

جب مؤمن بسم اللہ پڑھتا ہے تو بہشت اس کے جواب میں لبیک (میں حاضر ہوں) پکارتی ہے اور خدا سے دعا کرتی ہے کہ بسم اللہ کے بدلے میں اس شخص کو مجھ میں داخل کر، جب بہشت کی یہ التجا ہوتی ہے تو بہشت میں اس شخص کا داخلہ واجب ہو جاتا ہے۔

دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنا:

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دعا سے قبل بسم اللہ پڑھی جائے وہ رد نہیں ہوتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے لوگ بسم اللہ پڑھتے ہوئے آئیں گے تو اس کی برکت سے ان کی نیکیوں کے پلے بھاری ہو جائیں گے، جس پر دوسری امتوں کے لوگ پوچھیں گے کہ ایسا کیوں ہوا، ہماری پلے کیوں بھاری نہ ہوئے، ہم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ترجیح کیوں دی گئی؟ تب ان کے پیغمبران کو جواب دیں گے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ کام کرنے سے پہلے تین دفعہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے، اور وہ تینوں نام (اللہ، رحمٰن، رحیم) ایسے بابرکت ہیں کہ اگر ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں سارے جہاں کی برائیاں رکھی جائیں تو خدا تعالیٰ کے ناموں کی برکت سے ان ناموں کا پلڑا بھاری رہے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ برکت رکھی ہے کہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے، دوا کی مددگار ہے، فقیر کو مالدار بنانے والی ہے، دوزخ کی آگ سے بچاتی ہے، صورت مسخ ہو جانے سے محفوظ رکھتی ہے، اور آسمان کی بلا سے نجات دلاتی ہے، جو کوئی اسے پڑھتا رہے گا، وہ سب آفات سے محفوظ رہے گا، حضرت عمر فاروقؓ نے شاہ روم کو ایک ٹوپی کے اندر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر دی، جس کے اوڑھنے سے اس کے سر کے درد کو آرام ہوا۔

ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے:

قرآن کریم میں جا بجا اس کی ہدایت ہے کہ ہر کام اللہ کے نام سے شروع کیا جائے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھلو تو بسم اللہ کہو، کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی ہدایات قرآن وحدیث میں بار بار آئی ہیں۔

کھانے میں شیطان کی شرکت:

کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو شیطان کو اس میں ساتھ کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔(مشکوۃ شریف)

کھانا کھاتے وقت اگر شروع میں بسم اللہ بھول گیا تو یاد آنے پر یہ پڑھے "بسم اللّٰہ اولہ وآخرہ"۔(ترمذی شریف)

ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی حکمت:

اسلام نے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت دے کر انسان کی پوری زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پھیر دیا ہے کہ وہ قدم قدم پر اس حلف برداری کی تجدید کرتا ہے کہ میرا وجود اور میرا کوئی کام بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے اور اس کی امداد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔(غنیۃ الطالبین)

بوقت تلاوت قرآن، پہلے باجماع امت ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھنا سنت ہے، اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے، تعوذ پڑھنا تلاوت قرآن کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے کاموں کے شروع میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے۔

درمیان تلاوت جب ایک سورت ختم ہوکر دوسری سورت شروع کی جائے تو سورہ برأت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے، اگر تلاوت قرآن سورہ برات سے شروع ہو رہی ہے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھی جائیں، چونکہ بسم اللہ آیت قرآنی ہے، اس لئے اس کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں، حالت جنابت وحیض ونفاس میں بہ نیت تلاوت پڑھنا جائز نہیں، البتہ کسی کام کے شروع میں جیسے کھانے پینے سے پہلے بطور دعا پڑھنا ہر حال میں جائز ہے۔

مسئلہ:

پہلی رکعت کے شروع میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعتوں کے شروع میں بھی بسم اللہ پڑھنا چاہئے، اس کے مسنون ہونے پر سب کا اتفاق ہے، نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین سے ثابت نہیں۔ (معارف القرآن)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا:

مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے خطوط اور تحریر کا آغاز پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جائے، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وغیرہم کے خطوط سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ پوری بسم اللہ لکھتے تھے، یہی سنت کا طریقہ ہے، اسی میں اجر وثواب ہے۔(مکتوبات نبوی)

۷۸۶/ بجائے بسم اللہ:

یہ امر مسلم ہے کہ اللہ کا نام انہی الفاظ میں لینا جو اللہ نے موضوع فرمائے ہیں باعث خیر وبرکت اور موجب ثواب ہے اور سنت کا طریقہ یہی ہے، فقط ۷۸۶/ لکھنے پر اکتفاء کرنا اس کی برکت سے محرومیت ہے؛ لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زبان سے پڑھ کر بطور علامت واشارہ اس کے عدد کو لکھ سکتے ہیں، ۷۸۶/ یہ بسم اللہ کے حروف تہجی کا عدد ہے، جو فن حساب جمل سے معبرّ ہے، تاریخ پیدائش، تاریخ وفات تعمیر وغیرہ اور دیگر حوادث وواقعات کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے اس صنعت کو کام میں لایا جاتا ہے، کلام کو مختصر کرنے کے لئے یا کسی مصلحت سے عبارت کو حذف کرنے، اس کی جگہ علامتی نشان قائم کرنے کا رواج اتنا عام ہے کہ عوام وخواص اور سبھی مکتب فکر کے لوگوں میں بغیر کسی اختلاف کے پایا جاتا ہے، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ آپ پر (صاد) کا نشان، انبیاء علیہم السلام کے اسماء پر (علیہ) کا نشان، صحابہ کے نام پر (رضی) کا نشان اور اولیاء کے ناموں پر (رح) کا نشان لکھا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کریم میں رموز اوقاف تحریر ہوتے، مثلاً (م) وقف لازم کی علامت ہے (ہ) آیت کی علامت ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح علماء نے حساب جمل سے سورتوں اور آیتوں کے اعداد نکالے ہیں، قرآن کریم کو بے ادبی سے بچانے کے لئے عموماً تعویذ ونقوش لکھنے والے علماء کرام آیات کی جگہ نقوش واعداد لکھ دیتے ہیں، ان اعداد کی حیثیت رموز واشارات اور علامات سے زیادہ نہیں ہے،

بڑے بڑے اولیاء کرام اور بزرگان دین نے یہ علامات لکھی ہیں۔

هدایت:

جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالی کا کوئی نام لکھا جائے، اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر پھینک دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالی کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح سے اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہوجائے گا، آج کل عموماً جو ایک دوسرے کو خط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے اس کے احترام کی ضرورت ہے، اس کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے اور اس کی بے ادبی کے ارتکاب سے بچنا چاہئے، اس لئے مناسب تو یہی ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ دے تحریر میں نہ لائے، مگر لکھنا مسنون ہے، اس لئے لکھنا بھی چاہئے مگر احترام بھی لازمی ہے۔

اپیل:

تمام مسلمانوں سے یہ اپیل ہے کہ تمام اچھے کاموں کو اللہ تعالی کے نام سے شروع کریں، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوار ہونا وغیرہ جس قدر کام ہیں، ان کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہو، اگر کوئی قابل اہتمام اور بڑا کام خدا تعالی کا نام لئے بغیر شروع کردیا جائے تو اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی، البتہ بہت چھوٹے کام اگر بغیر بسم اللہ کے شروع کرلئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ ان کو بھی اللہ کے نام سے شروع کرکے برکت اور ثواب حاصل کریں، انبیاء سابقین بھی اپنے کاموں کو بسم اللہ سے شروع فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی پر سوار ہونے لگے تو بسم اللہ مجرہا و مرساہا پڑھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو جو خط لکھا وہ بسم اللہ سے شروع کیا، اور سب سے آخری پیغمبر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عرب وعجم و دیگر احباب کو خطوط لکھے تو ان کی ابتدا بھی بسم اللہ سے کی۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁

نقوش کی ڈاک

مکرمی ومحترمی جناب حضرت مفتی محمد مسعود عزیزی صاحب ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج عالی بعافیت ہوں گے، دیگر عرض این کہ احقر کی جولائی/ اگست کے شمارے میں اداریہ پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی کہ آپ نے ایک اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا اور ہماری کوتاہیوں کی طرف توجہ دلائی۔

دوسری طرف پڑھ کر بہت تکلیف بھی ہوئی کہ خیر خواہان مدارس اور اہل مدارس کا جب یہ حال ہے تو طلبہ مدارس پر اس کا اثر پڑنا فطری چیز ہے، اس طرح کے مضامین اگر دیگر رسائل میں بھی آئیں تو کافی حد تک اصلاح ممکن ہے، حق جدمجدہ توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت فیوضہم کے گہر بار قلم سے آپ کی تصانیف پر تبصرہ پڑھ کر مسرت ہوئی اور بالکل آپ کی بات بجا ہے، حق جل مجدہ عمل سے مالا مال فرمائے۔

اس سے قبل حضرت والا کی بزرگوں کے سلسلہ میں لکھی ہوئی کتب ''تذکرہ حضرت تھانوی، تذکرہ علامہ سید سلیمان ندوی اور چند مایہ ناز اسلاف'' سے مستفیض ہوچکا ہوں، اگر ممکن ہو تو اس سنہری سلسلہ کی دیگر کتب سے بھی فیض یاب ہونے کا موقع عنایت فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

باقی الحمدللہ سب خیریت ہے، دعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں، حق تعالی سبحانہ تاحیات طالب علم اور خادم دین بنا کر رکھے۔ آمین

مرغوب الرحمٰن

منڈی سمیتی، سہارنپور (یوپی)

\Saftwera\Inpage2.4\A004.T
not found.

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: دروس القرآن

نام مؤلف: مولانا مفتی مزمل حسین مظفرنگری

ناشر: رفیق بک ڈپو، دیو بند

زیر تبصرہ کتاب ''دروس القرآن'' کی دو جلدیں ہمارے سامنے ہیں، ایک جلد میں پارہ عم سے متعلق تفسیر ہے، جس میں ۲۷۶؍صفحات ہیں، دوسری جلد میں سورۂ ق اورستائیسویں پارہ کی تفسیر ہے، جو ۲۴۸؍صفحات پر مشتمل ہے، جو دارالعلوم دیو بند کے مؤقر استاد مولانا مفتی مزمل حسین مظفرنگری کی قیمتی اور اہم تصنیف ہے،

جس میں مولانا نے ترجمہ، ربط آیات، شان نزول، کلمات قرآن کی مستند مآخذ سے لغوی وصرفی تحقیق اور ترکیب نحوی پر مشتمل عام فہم، صلاحیت ساز اور منفرد تفسیر تحریر فرمائی ہے، جس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ترجمہ میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر آیت کے فوراً بعد میں اس کا ترجمہ لکھ دیا ہے، جس سے کم صلاحیت والا بھی ترجمہ اچھی طرح اور آسانی سے سمجھ سکتا ہے، مصنف خود لکھتے ہیں کہ اس کے مشمولات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) انطباق میں آسانی کے لئے ہر آیت کے بعد اس کا ترجمہ ہے۔

(۲) ربط آیات بیان کر کے سہل اور مختصر انداز میں تفسیر بیان کی گئی ہے، اور آیت کا کوئی شان نزول ہے، تو اس کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۳) کلمات کی ضروری لغوی اور صرفی تحقیق اس انداز پر بیان کیا گئی ہے کہ ترجمہ پر انطباق آسانی سے ہوسکتا ہے، اور اس ضمن میں مفردات کی جمع اور جموع کے مفردات، افعال کے صیغے، بحث اور ابواب کو بیان کیا گیا ہے، نیز کسی موقعہ پر ترجمے میں خاصیت باب کا دخل ہے، تو اس کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

(۴) آیات کی ترکیب نحوی بیان کی گئی ہے، اس لئے کہ ترکیب کی مدد سے نہ صرف یہ کہ بچے سمجھ کر ترجمہ کرتے ہیں، بلکہ ان میں ترجمہ کرنے کی استعداد کے ساتھ فن نحو سے مناسبت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

(۵) ایک بیش قیمت مقدمہ ہے، جس کے تحت کچھ ضروری نحوی مضامین کو بیان کیا گیا ہے، جن کا معلوم ہونا ترکیب نحوی کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے جس عرق ریزی اور دلچسپی سے یہ کام شروع کیا ہے، اس پر وہ قابل مبارک باد ہیں، اور ان سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلہ کو عام مفسرین کے طرز پر قرآنی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کریں، تا کہ جو مضامین اور بحثیں اخیر قرآن میں بھی ہیں اور شروع میں بھی، وہ شروع ہی میں برمحل آجائیں، اور قاری دلچسپی سے فائدہ اٹھائے اور اس کو ذہنی الجھن نہ ہو، اور مطلوبہ مضمون اس کو اپنی جگہ مل جائے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مؤلف نے جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ جلد از جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائے، اور لوگوں کے لئے فائدہ اٹھانا آسان ہوجائے۔

✿✿✿✿✿✿

نام کتاب: تحفہ درود وسلام

نام مؤلف: مولانا عزیر احمد مظاہری

صفحات: ۱۵۶؍

ناشر: مکتبہ مکرمیہ، فیض یونس، مظفرآباد، سہارنپور، یوپی۔

زیر تبصرہ کتاب ''تحفہ درود وسلام'' ہمارے استاد محترم حضرت مولانا ریاض احمد صاحب مظاہری استاذ حدیث مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے صاحبزادہ محترم مولانا عزیر احمد مظاہری کی تصنیف ہے، جس میں مولانا نے درود شریف کے فضائل وفوائد اور ثمرات مستند انداز میں دلچسپ پیرایہ بیان میں تحریر کئے ہیں، یہ موصوف کی پہلی قلمی کاوش ہے، مگر جس مبارک عنوان کو انہوں نے منتخب کیا ہے، اس سے خود ان کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وتعلق کا اظہار ہوتا ہے، جو ان کی تعمیر وترقی اور فلاح وکامیابی کی دلیل ہے، درود شریف کی فضیلت واہمیت اور اس کی عظمت پر بہت سے علماء کرام نے کتابیں تصنیف کیں، بعض حضرات نے درود شریف کے فضائل جمع کئے، بعض نے درود شریف کی برکات لکھی، بعض نے درود شریف کے تمام صیغے جمع کر دئے ہیں، یہ کام ابھی تک جاری ہے، اور انشاء اللہ

جاری رہے گا، بڑے قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں، اسی لئے خود خالق کائنات نے قرآن کریم میں خبر دی ہے، کہ بلاشبہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور رحمتیں بھیجتے ہیں، اور پھر مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ اے مومنو! تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھو، اس لئے یہ موضوع بہت ہی عظیم الشان ہے، مؤلف کتاب نے شروع میں اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی تحریریں نقل فرمائی ہیں، جس سے خود مؤلف محترم کی حوصلہ افزائی اور کتاب کی اہمیت اور قدر معلوم ہوتی ہے، اس کتاب میں درود شریف کے فضائل، فوائد وثمرات، نہ پڑھنے والوں پر زجر اور وعیدیں، آداب ومسائل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے متعلق وظائف، خاص خاص صیغوں کے خاص فضائل، نیز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے فضائل، روضہ اقدس پر صلاۃ وسلام پیش کرنے کا طریقہ، علاوہ ازیں چہل احادیث مشتمل بر صلاۃ وسلام ترجمہ کے اضافے کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، یہ سب چیزیں بہت مختصر مگر جامع انداز میں ذکر کی گئی ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁

نام کتاب: نقوش طیبات صحابیات نمبر

ایڈیٹر: مولانا محمد ناصر سعید اکرمی

صفحات: ۱۹۲/

ناشر: معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل (کرناٹک)

زیر تبصرہ کتاب دو ماہی نقوش طیبات کی جلد۲/۳/ کا شمارہ نمبر ۱۱/۱۲/۱۳/ ہے، جو شوال ۱۴۳۳ھ مطابق اگست ۲۰۱۲ء میں صحابیات نمبر کے نام سے شائع ہوا، صحابہ اور صحابیات وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے جمال ہم نشیں کو اس درجہ جذب کرلیا تھا کہ خاک سے پاک ہوگئے تھے، وہ صبغۃ اللہ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ گئے تھے، جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے حد درجہ حریص تھے، جو خود گمراہ تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت زمانے کے ہادی ورہنما بن گئے، اسی مقدس جماعت میں سے صحابیات کے حالات پر یہ شمارہ پیش کرکے مولانا محمد ناصر سعید اکرمی ناظم معہد امام حسن بنا شہید نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے صحابیات کی مختلف میدانوں میں خدمت اور کارہائے نمایاں کو پیش کرنے کی ایک خوبصورت کوشش کی ہے، جو معلومات افزاء بھی ہے اور دلچسپ بھی، مثلاً شمارے کے اہم عناوین پر ایک نظر:

حرف طیب، صحابیات کی دینی خدمات، صحابیات فقہ کے میدان میں، اہل کتاب صحابیات، القاب صحابیات رضی اللہ عنہن، صحابیات اپنے گھروں میں، صحابیات کی ہنرمندی، صحابیات کی سخاوت، صحابیات کا ذوق عبادت، صحابیات اور علم کی تحصیل واشاعت، صحابیان طب کے میدان میں، صحابیات اور ہجرت، صحابیات کی جرأت ایمانی، حضرت اسماء کی جرأت ایمانی، صحابیات کی قربانیاں اور بہادریاں، صحابیات کی سلیقہ مندی، صحابیات اور تجارت، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعر صحابیات، صحابیات کی نعتیہ شاعری، خنساء بنت عمرو سلمیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی حکمتیں، معہد کی سرگرمیاں، یاد رفتگاں، راہ خدا کے مسافر، ان عناوین اور مضامین سے کتاب کی اہمیت وافادیت اور اس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدیر محترم لکھتے ہیں ''صحابیات نمبر سے آپ حضرات یہ مطلب نہ لیں کہ اس مختصر پرچے میں تمام صحابیات اور ان کی سوانح کو سمو دیا گیا ہے، ہمیں نہ اس کا دعوی ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے، صحابیات کی زندگیوں کے صرف چند گوشوں پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے، یہاں صرف چسکا دیا گیا ہے، تاکہ ان کی زندگیوں پر لکھی گئی کتابوں کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق وجذبہ ہماری خواتین میں پیدا ہو جائے، جو عقیدت ومحبت ان صحابیات کے دلوں میں تھی وہ محبت ہماری ماں بہنوں میں پیدا ہو، ان کی دینی قربانیوں کا کچھ حصہ ہی سہی ہمارے اندر پیدا ہو جائے''۔

امت کی خواتین سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کو حاصل کرکے اس سے فائدہ اٹھائیں اور دیکھیں کہ صحابیات نے کیسی کیسی قربانیاں اس دین کی خاطر پیش فرمائی ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے اور مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁

نام کتاب: ندائے رحمت (منظوم)

مترجم ومؤلف: مولانا وسیم الحسن صاحب کاندھلوی

مرتب: مولانا معراج الحسن کاندھلوی ندوی

صفحات: ۷۲/

شائع کردہ: مکتبہ ابوالحسن علی میاں ندوی محلّہ مبارک شاہ، سہارنپور

زیرتبصرہ کتاب ''قصیدہ بردہ'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے، یہ قصیدہ دراصل علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جس کو خواب میں علامہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا، اور انعام کے طور پر اپنی ردائے مبارک ان کو عطا کی، اس طرح یہ قصیدہ مقبول ہوا، بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کی ترجمانی کی، اس قصیدے میں ۱۶۵/اشعار ہیں، ان کا موضوع ذات نبوی اور حب نبوی ہے، ان دونوں مضامین میں جو قربت اور تعلق ہے، وہ اہل ذوق ونظر اور اہل زبان وادب سے مخفی نہیں، مگر اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ بوصیری نے عشق ومحبت نبوی میں ڈوب کر اشعار کہے؛ لیکن توحید وعقیدہ پر ذرا آنچ نہیں آنے دی اور مقام رسالت میں ذرا غلو سے کام نہیں لیا۔

علامہ بوصیری مصر کے ابوصیر گاؤں کے رہنے والے صاحب دل عالم وشاعر ہیں، دلاص میں ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے، اور اسکندریہ میں ۶۹۷ھ میں وفات پائی، ان کے قصیدہ بردہ کو قصیدہ منامیہ بھی کہا گیا ہے، اس کے بعد اس کا دوسرا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے جو زیادہ آسان اور سہل ہے، پھر قصیدہ بانت سعاد کا ترجمہ کیا ہے، قصیدہ بانت سعاد حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، تو آپ نے اس کو پسند فرمایا، اور شاعر کو بطور انعام اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی، اس طرح اس قصیدہ کو بھی قبولیت حاصل ہوئی، اور اس کے بعد ساتویں صدی میں علامہ بوصیری کا قصیدہ وجود میں آیا، دونوں قصیدوں نے خوب شہرت پائی اور دونوں ہی کا نام بردہ پڑ گیا، دونوں کو علماء نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا، دونوں کی مختلف شروحات لکھی، اب ان دونوں قصیدوں کو مولانا نے اردو میں منظوم ترجمہ کا جامہ پہنا کر ''ندائے رحمت'' کے نام سے پیش کیا ہے، مولانا ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں، اس لئے ان کا اردو کلام سلاست وروانی وموزونیت اور الفاظ کے نظم وترتیب میں ایک بہترین کوشش ہے، جس کی ترتیب وپیشکش میں مولانا کے فرزند ارجمند مولانا معراج الحسن ندوی نے اپنے والد محترم کا تعاون کیا، اس طرح یہ کام قارئین کے سامنے آگیا، اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے، باذوق قارئین اس کتاب کو حاصل کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

نام کتاب: گناہوں کے مفاسد اور ان کا علاج

مؤلف: مولانا محمد سلیم کھجناوری

صفحات: ۳۴۰/

ناشر: مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند، سہارنپور

پیش نظر کتاب نوجوان عالم دین مولانا محمد سلیم صاحب مظاہری کی تصنیف ہے، جس میں انہوں نے گناہوں کے مفاسد بیان کئے ہیں، موضوع کے اعتبار سے دلچسپ کتاب ہے، مولانا نے مختلف کتابوں سے خوشہ چینی کر کے ایک جگہ اتنا مواد جمع کر دیا ہے، جس کو پڑھ کر انسان خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہے، اس لئے کہ انسان کبھی گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے مگر اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام گناہ کا ہے، کوئی دوسرا بتلا دے یا خود اس سلسلہ میں پڑھ لے، تو آدمی فوراً سنبھل جاتا ہے، اور اس گناہ کو ترک کر دیتا ہے، اس اعتبار سے مولانا کی یہ کاوش قابل مبارک باد ہے، انہوں نے شروع میں اپنے اساتذہ اور اکابر علماء کی تصدیقات اور آرا بھی کتاب میں شامل فرمائیں، جن سے کتاب کی وقعت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اور صاحب کتاب کی حوصلہ افزائی بھی، پوری کتاب ۲۵/اہم عناوین پر مشتمل ہے، مثلاً:

شرک کا بیان، غیر اللہ سے نذ ومنت ماننے کا بیان، تکبر کا بیان، ریاء کا بیان، گانا قرآن کریم کی رو سے حرام ہے، عورت اور پردہ، بدنظری کے مفاسد اور اس کی چند صورتیں، زنا کے اسباب، تصاویر کا بیان، شراب نوشی، سود کا بیان، جوا، سٹے کا بیان، غیبت اور چغلی کا بیان، ولادت کی رسومات، عقیقہ کی حقیقت اور اس کی چند رسومات، منگنی اور اس کی حقیقت، نکاح اور اس کی حقیقت، جہیز اور ہمارا معاشرہ، بخل کی حقیقت اور مال کی محبت، فضول خرچی کا بیان، نوحہ کرنے کا بیان، سگریٹ نوشی اور فیشن پرستی، داڑھی کی سنت کا ترک اور اس کی شرعی حیثیت، عرس کا بیان، کھیل کود وغیرہ جیسے عناوین شامل ہیں، ان تمام عناوین سے کتاب کی ہمہ گیریت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور مؤلف سے مزید دینی وعلمی خدمات لے لے، قارئین سے درخواست ہے کہ اس کتاب کو حاصل کریں، اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

حالات حاضرہ

عالمی خبریں World News

حافظ عبدالستار عزیزی

مرکز میں ایک نئی عمارت کی تعمیر

۲۵ر ستمبر ۲۰۱۲ء کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں ''اسلامک سنٹر'' کے نام سے ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، جس کی تعمیر کا کام چل رہا ہے، اس پر تقریباً ۲۰ر لاکھ روپئے کا خرچ آئے گا، واضح رہے کہ اس عمارت میں مرکز کے مختلف شعبہ جات کے دفاتر مثلاً: دارالافتاء، دارالبحوث والنشر، ماہنامہ نقوش اسلام مجلس صحافت اسلامیہ وغیرہ ہوں گے، اس لئے مخیّرین حضرات سے درخواست ہے کہ اس عمارت میں خود اپنی طرف سے یا اپنے کسی عزیز واقارب کی طرف سے کوئی کمرہ یا جزوی سامان دے کر اس تعمیری کام میں حصہ لیکر سعادت اخروی حاصل کریں، اس کا مجوزہ نقشہ ٹائٹل پر ہے، ادارہ اس کی تعمیر کے سلسلہ میں اہل خیر حضرات کی توجہات چاہتا ہے ،اللہ تعالی دینے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

مرکز سے نئی کتابوں کی طباعت

امسال شوال کے بعد سے اب تک مرکز کے شعبہ ''دارالبحوث والنشر'' سے ۵؍اہم کتابوں کی اشاعت ہوچکی ہے: (۱) سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) رہنمائے سلوک وطریقت (۳) قادیانیت امت کے محمدیہ کے خلاف بغاوت (۴) لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۵) میری والدہ مرحومہ۔ واضح رہے کہ ان میں سے ایک کتاب ''رہنمائے سلوک وطریقت'' خانقاہ رائے پوری کی طرف سے شائع ہوئی ہے، قارئین حضرات منگا کر فائدہ اٹھائیں۔

بیواؤں کو خود کفیل بنانے کیلئے پروجیکٹ کا اعلان

لندن-لندن کی ایک مذہبی تنظیم ہندوستان کی ۱۰ر ہزار بیواؤں کو سلائی مشین دینے کے ساتھ انہیں کپڑے سلانے کی تربیت دے گی، اس پروجیکٹ کا مقصد ان خواتین کو خود کفیل بنانا ہے۔

لونبا فاؤنڈیشن کے بانی صدر لارڈ راج لونبا نے بین الاقوامی یوم بیوہ ۲۰۱۳ء کے اعلان کے موقع پر ایک میٹنگ منعقد کی گئی ہے، جس میں ایک لاکھ ۶۱ر ہزار پاؤنڈ کی رقم اکٹھی کی گئی، لونبا نے کہا کہ اس رقم کے علاوہ کئی عطیہ دہندگان نے رضا کارانہ طور پر عطیہ دینے کا وعدہ کیا ہے، اور دہلی وپنجاب سرکار نے بھی تقریباً ۵؍لاکھ پاؤنڈ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم ۱۰ر ہزار بیواؤں کو سلائی مشین دے کر پروجیکٹ کو پورا کریں گے۔

ایران خلیج میں بدامنی کا ذمہ دار نہیں

ریاض- مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے خلیجی ریاستوں میں بدامنی کا ذمہ دار ایران کو قرار دینے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایران بدامنی کا ذمہ دار نہیں ہے، خلیجی ممالک کی دولت پر قبضہ کے لئے فسادات کرائے جارہے ہیں ، مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ کا ریاض میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہنا تھا کہ عرب ریاستوں میں فسادات مادی فوائد اور یہاں کی دولت پر قبضہ کے لئے کروائے جارہے ہیں، انہوں نے خلیجی ریاستوں کے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ان مظاہروں کے لئے اکسانے والے دشمنوں کی بات نہ سنیں۔

وفیات

۲۰ر اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز منگل جناب مولانا عبدالقادر صاحب ندوی پٹنی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، مرحومہ صوم وصلاۃ کی پابند اور ایک دیندار خاتون تھیں، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

۳۱ر اکتوبر بروز بدھ مظاہر علوم کے ناظم مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری کی والدہ محترمہ ۹۰ر سال کی عمر میں انتقال فرماگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بہت نیک اور حسن اخلاق سے مزین خاتون تھیں، انہوں نے خاندان کے بہت سے بچوں کو قرآن شریف پڑھایا، اللہ تعالی انکی مغفرت فرمائے۔

۱۳ر نومبر ۲۰۱۲ء بروز منگل قاری شبیر احمد شہزاد پوری کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم نے ۶۰ر سال تک مدرسہ ''انوار القرآن نعمت پور'' کے شعبہ حفظ میں قرآن کریم کی خدمت کی اور ہزاروں حفاظ وقراء بنائے ، قاری صاحب کے پسماندگان میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں اور بہت سے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں، تقریباً سبھی صاحب علم وفضل ہیں، اللہ تعالی ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ''نقوش اسلام'' کے قارئین سے مرحومین کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔